اپنی تلاش میں

اُستاد بزرگوار سید جواد نقوی حفظہ اللہ

اسلامک ایجوکیشن سینٹر کراچی
www.pairwan-e-wilayat.com

مشخصات کتاب

نام کتاب............اپنی تلاش میں

تالیف.................استادِ بزرگوار سید جواد نقوی

ناشر..................اسلامك ایجوکیشن سینٹر کراچی

اشاعت...............جون 2016 (بمناسبت رمضان المبارك1437)

تعداد..................5000

کتاب حاصل کرنے کے لیے

محمد علی بُک ڈپو

زہرا گارڈن، شاپ نمبر 2، بریٹو روڈ، نزد محفل شاہِ خراسان، بالمقابل فاطمیہ کالج،
سولجر بازار نمبر ۳، کراچی فون: 021-32242991,0300-2985928

نمائندگان سے رابطہ کیلئے

کراچی	0300-2796804
اسلام آباد	0333-5100780
لاہور	0312-4172789
بھاولپور	0345-7057775
ٹھٹھہ	0300-3002900
اسکردو	0355-5188848
پاراچنار	0302-8055216

انتساب

ادارہ اس کتاب کو

حضرت علامہ اقبالؒ

کے نام منسوب کرتا ھے

جنھوں نے ملّتِ اسلامیہ کو حقیقی

خودی

سے روشناس کروا کر

نجات کا راستہ دکھایا.

فہرست

عرض ناشر

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سب سے بڑا ہدف اور مقصد انسانی نفوس کی پرورش کرنا اور نفوس انسانی کو پاک و پاکیزہ بنانا تھا۔ خداوندِ عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ خدا نے مومنین پر احسان کیا ہے کہ ان میں سے ایک رسول ان کے درمیان بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرے اور ان کے نفوس کو پاک و پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گرچہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں غرق تھے۔

تعلیم و تربیت کا موضوع اس قدر مہم تھا کہ پیغمبروں کے بھیجنے کی غرض قرار پایا اور خداوند عالم نے اس بارے میں اپنے بندوں پر احسان کیا۔ انسان کی فردی اور اجتماعی شخصیت کی سعادت اور دنیوی اور اخروی شقاوت اس موضوع سے وابستہ ہے کہ کس طرح انسان نے اپنے آپ کو بنایا ہے اور بنائے گا۔ اسی وجہ سے انسان کا اپنے آپ کو بنانا ایک زندگی ساز کام شمار ہوتا ہے۔ پیغمبر آئے ہیں تاکہ خودسازی اور نفس انسانی کی پرورش اور تکمیل کا راستہ بتلائیں اور اس مہم کام میں انسان کی رہنمائی کریں اور مدد فرمائیں، پیغمبر آئے ہیں تاکہ نفوس انسانی کو بُرے اخلاق اور حیوانی صفات سے پاک و صاف کریں اور اچھے اخلاق اور فضائل کی پرورش کریں، پیغمبر آئے ہیں تاکہ انسانوں کو خودسازی کا درس دیں اور بُرے

اخلاق کی شناخت اور خواہشاتِ نفسانی کو قابو میں رکھنے میں مدد فرمائیں۔

امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو ایک گم کی ہوئی چیز کو تو تلاش کرتا ہے جبکہ اس نے اپنی انسانی روح کو گم کیا ہوا ہے اور اس کی تلاش کرنے کے درپے نہیں ہوتا۔ اس سے بدتر اور دردناک تر کوئی نقصان نہیں ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنی انسانی اور حقیقی شخصیت کھو بیٹھے ایسے شخص کے لیے سوائے حیوانیت کے اور کچھ باقی نہیں رہے گا۔

ادارہ آپ قارئین کی خدمت میں آج کے موجودہ دور میں گمشدہ انسان کی خودی کی تلاش کو مدّ نظر رکھتے ہوئے استاد محترم سید جواد نقوی حفظہ اللہ کا ایک خطاب بعنوانِ ''اپنی تلاش میں'' کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اس مضمون میں استاد بزرگوار نے انسان کی حقیقی خودی و حقیقی شخصیت جسے انسان وسائل کی کثرت اور خواہشات ولذّات میں غرق ہونے کی وجہ سے کھو چکا ہے اس کی طرف انسانوں کو واپس پلٹانے کی کوشش کی ہے۔

استادِ محترم امّت کو متوجہ کر رہیں کہ ماہ رمضان جو مہمانیِ خدا کا مہینہ ہے اسے محض رسومات کے حوالے نہیں کرنا ہے بلکہ اس فرصت کا ہمیں بھرپور فائدہ اٹھانا ہے اس ماہ کے اصل مقصد یعنی قربی سفر کو طے کر کے کمال کی منزل تک پہنچنا ہے۔ اس کمال کے سفر کو طے کرنے کے لیے خداوندِ متعال نے ہمارے لیے ماہِ رمضان سے تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا ہے تا کہ انسان دیگر مہینوں کی نسبت اس ماہ میں اپنے سلوک کے سفر کو جلد از جلد طے کر سکے۔

استادمحترم نے لوگوں کی توجہ اس نکتے کی طرف مرکوز کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ قرآن جسے آج ہم نے متروک ومہجور کر کے گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا ہے، ماہ رمضان درحقیقت اسی قرآن کو سمجھنے اوراس سے ہدایت پانے کا مہینہ ہے اسی قرآن کے ذریعے ہمیں اپنے آپ کو تلاش کرنا ہے اوراپنی اس گمشدہ شخصیت کو حاصل کر کے اسے کمال کی منزل تک پہنچانا ہے جہاں انسان اور خدا کے درمیان حائل تمام دوریاں اور رکاوٹیں ختم ہو جائیں اور انسان رضائے الٰہی کو حاصل کر لے۔جیسا کہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین کرام کتاب سے متعلق ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی فرماتے ہوئے ہمیں اپنی قیمتی آراء سے مستفید فرمائیں گے۔

ادارہ

معرفت ماہِ مبارک رمضان

خداوندتبارک وتعالیٰ کی جانب سے یہ فرصت ہمیں نصیب ہوتی ہے کہ ماہ ِمبارکِ رمضان ہرسال ہماری زندگی میں آتا ہے، جس کی اگر معرفت ہوجائے تو ہم حسرت کریں گے کہ یہ ماہ صرف ۳۰ دن کا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا ہے کہ اگر کسی انسان کو ماہِ مبارکِ رمضان کی معرفت، اس کی حقیقت وروح معلوم ہوجائے تو وہ خداوندتبارک وتعالیٰ سے آرزو کرے گا کہ یہ مہینہ اور یہ فرصت ایک ماہ سے بڑھ کر پورے سال کی ہوتی۔ ہم اس ماہ کی حقیقت اور عظمت سے آشنا نہیں ہیں۔ اس ماہ کو خدا نے دوسرے مہینوں پر کرامت، عظمت اور فضیلت عطا کی ہے۔ رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ماہ مبارک رمضان کو دوسرے مہینوں پر ویسی ہی حیثیت وفضیلت ہے جو مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہے۔ یہ رسول گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہے لیکن ہمیں تو یہ تیس دن بھی بھاری اور سخت لگتے ہیں، ہم تو اس آرزو میں ہوتے ہیں کہ کب یہ ماہ ختم ہوتا ہے، پہلی تاریخ سے ہی تقویم دیکھنا شروع کردیتے ہیں کہ کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔

رسوماتی وآبائی ماہِ رمضان

ہم نے دین کی تعلیمات رسمی وثقافتی طریقے سے حاصل کی ہیں۔ ہمیں گھر میں سادہ سے دینی مفاہیم بتائے گئے ہیں جو بڑھاپے تک جوں کے توں

ہمارے اذہان میں قائم رہتے ہیں جب کہ دین کے علاوہ زندگی کے دیگر شعبوں کے مفاہیم بدل گئے ہیں، لیکن دین کے بارے میں وہی نظریات ہیں جو بچپن میں ہمارے ذہن میں ڈالے گئے تھے۔ ہم نے ان مطالب کی پرورش نہیں کی، وہی سادہ اور ابتدائی حالت میں ابھی تک ہمارے ذہنوں میں قائم ہیں۔ ماہِ مبارک ِ رمضان کی جو تصویر بچپن میں ہمارے ذہن میں بنائی گئی تھی، وہ بدلی نہیں ہے ہم بڑے ہو گئے، بہت پڑھ لکھ گئے لیکن دین اور دینی فرصتوں کے بارے میں ہمارا وہی پرائمری نظریہ اب تک قائم ہے۔

ماہِ رمضان کی وہی تصویر جو بزرگوں نے ہمارے ذہن میں ڈالی تھی، اب تک قائم ہے کہ رمضان کے اندر ایک کرنٹ کی لہر دھند کی طرح سے چھا جاتی ہے اور ہمارا احاطہ کر لیتی ہے۔ یہ تشبیہ اس لئے بیان کر رہے ہیں تا کہ وہ تصویر جو ہمارے ذہن میں بنی ہوئی ہے وہ واضح ہو جائے۔ جس طرح موسم کے بدلنے سے دھند کی لہر شہر پر چھا جاتی ہے اور کچھ عرصہ قائم رہتی ہے اور ہم اس دھند میں آ جاتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک مقدس نورانی دھند ماہِ رمضان کا چاند نظر آتے ہی چھا جاتی ہے، تقدس کا ایک کرنٹ دوڑ جاتا ہے اور ہماری زندگیوں پر چھا جاتا ہے، ہم جہاں بھی ہوں اس نورانیت کے حلقے کے اندر رہتے ہیں اور جیسے ہی ماہ رمضان ختم ہوتا ہے تو وہ دھند چھٹ جاتی ہے اور ہم پھر سے معمول کے دنوں میں آ جاتے ہیں۔

جبکہ ماہ مبارک رمضان ایک فرصت ہے جو صرف انسان کے لیے خداوند تبارک وتعالیٰ نے مقرر کی ہے جس طرح دین فقط انسان کے لیے ہے، دین کا

ایک حصہ یہ زمانی فرصت ہے جسے ماہ مبارک رمضان کہا گیا ہے، اس کو ہم نے ایک رسوماتی شکل دے دی ہے۔ ماہ مبارکِ رمضان منانے اور ماہِ رمضان گزارنے کا ایک خاص شیڈول ہم نے بنا دیا ہے، چاند نظر آنے سے لے کر عید تک کی روٹین بنا دی ہے کہ اس طرح سے ہمیں اپنا رمضان گزارنا ہے اور گزار لیتے ہیں اور کافی چیزوں سے محروم رہ جاتے ہیں، بیسیوں رمضان ہماری زندگی سے گزر جاتے ہیں لیکن ہم ماہِ مبارک رمضان کی برکتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ماہِ رمضان از نظرِ قرآن

ماہ مبارک رمضان کی حقیقی فضیلت اور اصلی رکن روزہ نہیں ہے بلکہ نزولِ قرآن ہے۔ قرآن مجید نے جب ماہ مبارک رمضان کا تعارف کرایا تو روزوں سے نہیں بلکہ،

شَہر رمضان الذی انزل فیه القرآن

سے تعارف کرایا ہے۔ ماہ مبارک رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے، پھر اس کے بعد فرمایا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو یہ فرصت میسر آجائے تو پھر اس ماہ کے روزے بھی رکھیں۔ روزہ ایک طرح کا واجب شکرانہ ہے، اور ماہِ مبارک کا ادب ہے۔ حقیقتِ ماہ رمضان روزہ نہیں ہے۔ ہم روزہ رکھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس ماہ کا حق ادا کر دیا۔ جبکہ قرآن اس کا حقیقی رکن ہے۔

حقیقتِ نزول قرآن

یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ بچپن کا وہ سادہ سا تصور ابھی تک ہمارے اذہان میں بیٹھا ہوا ہے کہ خدا ساتویں آسمان سے بھی اوپر عرش پر ہے، وہ وہاں سے زمین پر پیغام بھیجتا ہے اور یہ پیغام ایک فرشتہ کے وسیلے سے پہنچتا ہے، فرشتہ بھی پرواز کرنے والی مخلوق ہے جس کے باقاعدہ پر ہیں، وہ ہمیشہ زمین و آسمان میں آتا جاتا رہتا ہے، وہ زمین پر اترتا ہے یعنی نزول کرتا ہے، اس نزول سے ہم جسمانی نزول مراد لیتے ہیں، جیسے بارش اترتی ہے، یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی غلط تصویریں ہمارے اذہان میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ بعض اوقات وہ بچپن کی تصویریں، جو اب بدل گئی ہیں، یاد آتی ہیں تو ان تصویروں پر بے ساختہ ہنسی آتی ہے۔ ہم سب ایسے ہی ہیں، ہمارے اذہان میں بھی ایسی بہت سی بچگانہ تصویریں ہوں گی جو بدل کراَب حقیقی ہوگئی ہیں لیکن کچھ شعبے ایسے ہیں جہاں ابھی تک بچگانہ تصویریں باقی ہیں۔ اکثر معارفِ دین کے بارے میں ہمارا تصور ایسا ہی ہے، ان میں سے ایک وحی اور نزولِ قرآن ہے۔ نزول قرآن سے ہم یہ مراد لیتے ہیں جیسے بارش اترتی ہے، چھت سے کوئی فرش پر آتا ہے، آسمان سے جسمانی طور پر کوئی چیز زمین پر اترتی ہے، جبکہ نزول کا معنی یہ نہیں ہے۔ خدا خود قرآن مجید میں فرماتا ہے؛

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْب''

(سورہ بقرہ، آیت ۱۸۶)

''جب میرا بندہ میرے بارے میں پوچھے تو اسے بتاؤ کہ میں بہت قریب ہوں''

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ

(سورۃ ق، آیت ۱۶)

''میں انسان کی رگ حیات سے زیادہ انسان کے قریب ہوں''

خداوند تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا تمہارے دلوں کے حال بھی جانتا ہے، تمہاری سرگوشیاں بھی سنتا ہے تمہیں اونچا اونچا بولنے کی ضرورت نہیں، تم دل میں جو سوچتے ہو، تمہارے سینوں میں جو پنہان ہے، وہ بھی اللہ کو معلوم ہے۔ قریب ذات ہی ان ساری چیزوں سے آگاہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡم'' م بِذَاتِ الصُّدُوۡر

(سورہ آل عمران، آیت ۱۱۹)

''بے شک اللہ دلوں کی پنہان باتیں بھی جانتا ہے''۔

جو تم نے دلوں میں پنہان رکھا ہوا ہے اور اسے باہر نہیں نکالتے ہو، کبھی نکل ہی نہیں سکتیں، ہمیشہ اندر ہی رہیں گی، ان سے بھی خدا آگاہ ہے۔ جب خدا اتنا علیم و بصیر اور آگاہ اور قریب ہے تو اسے انسان کو پیغام دینے کے لیے ڈاک اور ڈاکیے کی ضرورت نہیں، خدا انسان سے دور نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں؛

داخل فی الاشیاء لابا لممازجة، خارج عن اشیاء لا بالمبایة

خدا کو اس طرح سے پیش نہ کرو کہ انسان کو خدا سے کاٹ دو اور خدا کو انسان سے کاٹ دو اور نہ خدا کو مخلوق سے اس طرح ملاؤ کہ خدا مخلوق میں مخلوط نظر

آنے لگے۔خالق ومخلوق کا بہت گہرا اورقریبی رابطہ ہے، ہم خالق سے دور ہیں،ہمیں کہا گیا ہے کہ سفرِ قربی (نزدیک ہونے کا سفر) کرو، یہ سارے کام کرو تاکہ تم بھی اپنے پروردگار کے قریب ہو جاؤ جیسے وہ تمہارے قریب ہے۔

فہمِ قرآن

نزولِ قرآن سے مراد یہ کتاب کاغذ، الفاظ یا آواز کا اترنا نہیں ہے جیسے ہم سمجھتے ہیں کہ بجلی آسمان سے زمین کی طرف اترتی ہے تو اسی طرح سے قرآن آتا ہے۔نزولِ قرآن کا مطلب فہمِ قرآن ہے۔قرآن تمہارے لئے قابل دسترس اور قابلِ فہم حالت میں آ گیا ہے۔

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

(سورہ واقعہ،آیت ۷۹)

''اسے پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا''

یہ قرآن کریم چھپی ہوئی پنہان کتاب تھی اور سوائے مطہرون کے اسے کوئی مس نہیں کرسکتا تھا، پھر خداوند تبارک وتعالیٰ کو جن لوگوں کی ہدایت کے لیے اسے پیش کرنا تھا، یہ ان کی دسترس سے باہر تھی، اس کو بشری زبان اور بشری اسلوب دے کر ہماری بول چال اور محاورے کی زبان میں تبدیل کر کے اس کو ہمارے لیے قابل فہم بنا دیا۔اللہ کے کلام کو بشر کے لئے قابلِ فہم بننے کے لیے فرشتہ بھی ضروری ہے اور رسول بھی، تنہا فرشتہ کافی نہیں ہے۔ہم روایتی طور پر یہ

سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ رسول ڈاکیے کے طور پر آئے، اللہ نے پیغام ہاتھ میں دیا اور کہا یہ میرے بندوں تک پہنچا دو، جس طرح آج کل مبلغین آتے ہیں، کتاب میں ایک چیز پڑھ کر آ کر لوگوں کو سنا دیتے ہیں۔ وحی کا تعلق رسول سے اور قرآن کا تعلق رسول سے ہے، رسول درحقیقت خداوند تعالیٰ کی بنائی ہوئی وہ درسگاہ ہیں کہ جن میں کلام خدا ڈالا جاتا ہے جو بشری قالب میں قابل فہم بن جاتا ہے۔

ماہ ربیع القلوب

عام بشر کے لئے فہم قرآن و ہدایت کا کام ماہِ مبارک رمضان میں ہوسکتا ہے کیونکہ ماہ مبارک رمضان انسانی قلوب اور انسانی نفوس کو آمادہ کرتا ہے، اس کو ربیع القلوب بھی کہتے ہیں جس کا معنی دلوں کی بہار ہے۔ جب زمین پر بہار آتی ہے تو زمین کے اندر سب کچھ اگ آتا ہے، مردہ بیج بھی اُگ آتے ہیں، ماہ مبارک رمضان ربیع القلوب ہے، دلوں کی بہار ہے، ان میں نفوس آمادہ ہوجاتے ہیں، اس آمادہ نفوس کی زمین میں جو بھی ڈالیں وہ اُگ آتا ہے، خدا نے یہ بہار بھیجی ہے تاکہ نفس تیار ہوں، ان میں ہدایت کا بیج ڈالا جا سکے اور ہدایت اگ سکے۔

ماہ مبارک رمضان میں نفس تو تیار، آمادہ اور زرخیز ہے لیکن اس کے اندر جو بیج ڈالتے ہیں، وہ ہدایت کی بجائے رسومات کا بیج ہے، وہی اگ آتا ہے۔ رسوماتی رمضان میں مہنگائی زیادہ ہوجاتی ہے، کھانے کا ایک وقت کم ہوجاتا ہے

لیکن راشن زیادہ لگتا ہے، یہ ثقافتی (کلچرل) رمضان ہے، قرآنی والٰہی رمضان نہیں ہے، رسوماتی عید، رسوماتی افطار، رسوماتی سحر و رسوماتی روزہ ہے۔ اگر انسان کو ان سب کی حقیقت معلوم ہو تو پھر انسان کی تقدیر بنانے کیلئے ایک ماہ مبارک رمضان، ایک لیلۃ القدر ہی کافی ہے۔ رسوماتی لیلۃ القدر میں ہم قضائے عمری پڑھتے ہیں، ایک رات میں ہی ساری زندگی کا حساب پاک کرتے ہیں، اس طرح ہم اپنے آپ اور خدا کو بھی دھوکا دیتے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ عمر بھر کی نماز ایک رات میں پڑھ لیں؟ پھر تو وہ انسان ہی نہیں ہے جو عمر بھر نماز قضا کرتا رہے۔ لیلۃ القدر مستقبل کی رات ہے ماضی کی نہیں، حساب چکانے کی رات نہیں ہے۔ اس شب میں آئندہ کی تقدیر، مقدرات خود انسان کے اپنے ہاتھوں سے ہی بنتے ہیں لیکن وہ بھی قرآنی لیلۃ القدر میں بنتے ہیں، ثقافتی، روایتی و رسوماتی لیلۃ القدر میں نہیں بنتے۔

فلسفہء ثواب

ہم نے لیلۃ القدر کے فقط چند اعمال رکھے ہوئے ہیں کہ دو رکعت نماز پڑھنی ہے، قرآن سر پر رکھنا ہے، اتنی مرتبہ یہ نام لینے ہیں اور پھر اس کے بعد ثواب لے کر چلے جانا ہے۔ ہم نے دین کا فلسفہ ثواب رکھا ہوا ہے، سارے کام ثواب کے لیے کرتے ہیں ثواب رغبتِ دین ہے لیکن فلسفہ دین نہیں ہے۔ طبیب اور ڈاکٹر اپنے مریض کو دوا کھلانے کیلئے کئی حیلے کرتے ہیں، کچھ بامعرفت اور باشعور

مریضوں کو آپ مہنگی دوائی بھی لکھ کر دیں تو وہ قبول کر کے دوائی لے لیتے ہیں مگر بعض ایسے ہیں جونہیں مانتے۔

ہمارے ایک مریض دوست کو ڈاکٹر صاحب نے انسولین لکھ دی تو بہت گھبرائے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح سے یہ انسولین معاف ہو جائے، کچھ دن بعد ڈاکٹر نے انسولین معاف کر دی، پھر انہوں نے بتایا تو ہم نے انہیں مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ انسولین کے نام سے آپ ڈر جاتے ہیں کیونکہ ہمارے یہاں انسولین کا تصور ہی کچھ اور ہے، ہمارے ہاں یہ تصور ہے کہ انسولین اسے دی جاتی ہے جو بیماری کے آخری درجہ تک جا پہنچا ہو اور بس چند ہفتوں کا ہی مہمان ہو اورڈاکٹر حضرات مریضوں کو ایسے رغبت دلاتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اسے راضی کر لیتے ہیں، جیسے چھوٹے بچہ کو بہلایا جاتا ہے، وہ جب سکول نہیں جاتا تو اس کی ماں اسے تیار کرنے کے لئے کھلونے اور اچھے اچھے کھانے کے وعدے دیتی ہے، یہ بچے کا ثواب ہے، لیکن علم اس کی حیات ہے اس کا مستقبل اور اس کی بقا ہے، اس علم تک چھوٹے بچے کو پہنچانے کے لیے اس کے والدین بہت جتن کرتے ہیں کیونکہ اس کے والدین کریم، رحیم و مہربان ہوتے ہیں۔

رحیم و مہربان اپنے ماتحت اور زیر کفالت افراد کو پروان چڑھانے کے لیے حیلے استعمال کرتے ہیں، اس کی ذہنی سطح کے مطابق وعدے کرتے ہیں، اگر نابالغ ہے تو نابالغوں والے وعدے دیتے ہیں، اگر بالغ ہے تو بالغوں والے وعدے دیتے ہیں، ہم سے دو رکعت نماز پڑھانے کیلئے خدا نے کتنے اور کس طرح

کے وعدے دیئے ہیں اور جہنم سے ڈرایا ہے تاکہ دوسجدے اس کی بارگاہ میں کرلیں، یہ ثواب وعقاب رغبت کے لیے ہے تاکہ ہم عبادت کریں لیکن فلسفہ عبادت ثواب نہیں ہے۔امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں : پروردگارا! میں تیری عبادت جہنم کے خوف اور جنت کی لالچ میں نہیں کرتا بلکہ اس لئے کرتا ہوں کہ تو لائق عبادت و پرستش ہے۔

عقلی بلوغ تک پہنچنے کا مہینہ

نابالغوں کو حوروں، غلمان، پھل فروٹ، سیب انار اور دودھ کے وعدے دیئے جاتے ہیں، انہیں انہی کی سطح پر کوئی چیز دی جاتی ہے لیکن ان افراد کو بھی ایسے ہی وعدے دیئے جاتے ہیں جو جسمانی طور پر تو بالغ ہو چکے ہوں لیکن ذہنی طور پر نابالغ ہوں۔ ہر چیز کے پیچھے ثواب ضرور موجود ہے لیکن ثواب فقط ہمیں اس عمل تک لانے کے لیے ہے۔خدا کا وعدہ حق اور یقینی ہے، خدا نے کہا ہے کہ اس سے بھی زیادہ دوں گا جس کا تم سے وعدہ کیا ہے۔ثواب کے بہانے سے تمہیں کھینچ کر جس حقیقت تک لانا ہے، اس کے مقصد کو سمجھو۔ ماہ مبارکِ رمضان بہت سارے کاموں کے لئے انسان کے پاس ایک فرصت ہے۔

خدا نے انسان کے لئے یہ فرصت مقرر کی ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے اس کو تیار کیا ہے، اس زمانے کے اندر کوئی کرنٹ نہیں ہے، فلسفی نگاہ سے وقت ایک جیسا ہوتا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے زمینوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔حرم

کی سرزمین سے پہلے اور بعد میں ریگستان ہے، دونوں طرف ریت ہی ریت ہے، دونوں اطراف کی ریت اٹھا کر کسی لیبارٹری سے ٹیسٹ کرائیں تو پتہ چلے گا کہ دونوں طرف کی ریت ایک جیسی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، یوں نہیں ہے کہ حرم کے اندر کی زمین میں کرنٹ ہے اور باہر کی زمین میں کرنٹ نہیں ہے، مسجد کے اندر اور باہر کی زمین ایک جیسی ہے۔شعبان کی انتیس یا تیس اور ماہ رمضان کی پہلی تاریخ میں وقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، یہاں بھی طلوع وغروب ہے، وہاں بھی طلوع وغروب ہے، یہ طلوع وغروب زمین کی حرکت کی وجہ سے ہے، زمین سورج کے گرد گھومتی ہے، اپنے مدار کے گرد چکر کاٹتی ہے، اس سے طلوع و غروب اور وقت بنتا ہے، یہ ایک جیسا ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔

ماہِ سفرِ الیٰ اللہ

خداوند تبارک وتعالیٰ نے ماہ مبارکِ رمضان کے تیس دنوں میں، طلوعِ ہلال رمضان سے طلوعِ ہلال شوال تک ، خاص لطف وکرم اور اہتمام کیا ہے کہ انسان کی راہ میں جتنی رکاوٹیں تھیں، وہ سب ہٹا دی ہیں، انسان کے سلوک، سفرِ قربی اور کمال تک پہنچنے کی راہ میں تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا ہے۔جو رکاوٹیں گیارہ ماہ تک حاوی رہتی ہیں اور انسان کو انھیں حکمتِ خدا سے عبور کرنا ہوتا ہے، خود اللہ تعالیٰ ان رکاوٹوں کو تیس دنوں کے لئے اٹھا لیتا ہے تا کہ یہ سفر آسانی سے طے کیا جا سکے۔

آپ نے وی آئی پی شخصیات کو شہر کے اندر سفر کرتے دیکھا ہوگا، ان کے گزرنے سے پہلے تمام سڑکیں عام ٹریفک کے لئے بند کردی جاتی ہیں، سارے روڈ سگنل فری کردیئے جاتے ہیں تاکہ وی آئی پی کی گاڑی کو کسی جگہ بریک نہ لگانی پڑے، کہیں کوئی حادثہ نہ ہو، وہ سفر جو ہم اور آپ ایک گھنٹہ میں طے کرتے ہیں وہ چند منٹ میں طے کرلیتے ہیں، وہ بھی اتنا ہی سفر کرتے ہیں، اتنے ہی کلومیٹر فاصلہ طے کرتے ہیں لیکن وہ تو جلدی چلے جاتے ہیں لیکن ہم دیر سے پہنچتے ہیں کیونکہ جب ہم نکلتے ہیں تو ہمارے سامنے دوسری گاڑیاں ہوتی ہیں، ٹریفک جام ہوتا ہے، آدھا آدھا گھنٹہ سگنل کھلنے کا انتظار کرتے ہیں لیکن وی آئی پی کے راستے میں کوئی نہیں آتا کیونکہ حکومتی انتظام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا راستہ صاف رکھا جاتا ہے۔

کچھ لوگ یہاں پر وی آئی پی ہیں لیکن خدا نے تمام متقین اور اپنے خالص بندوں کو ماہ مبارکِ رمضان میں وی آئی پی پروٹوکول دیا ہے، آپ کی خاطر سارے راستے بند کردیئے گئے ہیں، جہاں جہاں سے شیاطین اور خناس آسکتے تھے، وہ جنی اور انسانی خنّاس جو صبح شام ہمارے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہوتے ہیں، اس ماہ میں ان کا راستہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ میرا خالص بندہ میری طرف آرہا ہے، گیارہ مہینے خود راستہ تلاش کرنا ہوتا ہے، خود رکاوٹیں عبور کرنی ہوتی ہیں، اس ماہ میں، مَیں نے لطف کیا ہے، اپنی طرف آنے والے راستے کو اس کے لئے صاف کردیا ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ماہِ مبارک رمضان میں خدا شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیتا ہے، یہ کنایہ ہے یعنی ساری رکاوٹیں ختم کردی جاتی

ہیں۔

مِفتاحُ الجنّۃ

عام دنوں میں خدا نے اپنی برکتیں اپنے خزانوں میں رکھی ہیں اور ہمیں ان خزانوں کا پتہ بتا دیا ہے یہ بھی بتا دیا کہ چابیاں کہاں ہیں، آپ چابیاں تلاش کریں اور لا کر تالے کھولیں اور برکتیں حاصل کریں۔ معمولی دنوں میں خدا کی برکتیں لینے کے لئے بہت جتن کرنے پڑتے ہیں، اپنا پسینہ نکالنا اور اپنا خون بہانا پڑتا ہے، وقت دینا پڑتا ہے، تھکاوٹ کو برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن ماہ مبارک رمضان میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنی برکتوں کے خزانے کھول دیئے ہیں، دربان ہٹا دیئے ہیں، خود دربانوں کو حکم دے کر کہا کہ چابیاں لگاؤ اور دروازے کھول دو کیوں کہ میرے خالص بندے میری طرف آ رہے ہیں۔ ماہِ مبارکِ رمضان کی اس فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جو سب سے بڑا خزانہ ہمیں تلاش کرنا اور اس تک پہنچنا ہے وہ اپنی تلاش اور اپنے آپ کو پانا ہے۔

ماہِ رمضان قربِ خدا کا مہینہ

ماہ مبارک رمضان بہت ہی سرعت کے ساتھ جانے کا مہینہ ہے، اس کی ایک شب ہزاروں مہینوں سے افضل ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اس رات انجام دیئے جانے والے چھوٹے سے عمل کا بھی بہت زیادہ ثواب ملتا ہے لیکن یہ

اس کا ابتدائی اور سطحی سا معنی ہے۔اس کے دقیق معنی بھی ہیں،ہم نماز قربۃً الاالله ،اللہ کےقریب ہونے کیلئے پڑھتے ہیں۔اپنا فاصلہ خدا سے کم کررہے ہیں،ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے ہیں،جس رفتار سے ہم اللہ کی طرف جارہے ہیں،اس رفتار سے تو دس ہزار سال بھی ناکافی ہیں،اللہ تو ہمارے قریب ہے لیکن ہم اس سے دور ہیں۔ یہ عجیب مُعمہ ہے کہ اللہ ہم سے نزدیک ہے اور ہم اس سے دور ہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے!

جب اولاد والدین کی نافرمان ہوجاتی ہےتو اس وقت بھی ماں تو بیٹے کے قریب ہےلیکن بیٹا ماں سے دور ہے۔آپ کسی کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ آپ کو پسند نہیں کرتا، یہ یک طرفہ تعلق ہوتا ہے،وہ آپ کے قریب ہے،آپ اس کے قریب نہیں ہیں، بیوی شوہرکو پسند کرتی ہےلیکن شوہر بیوی کو پسندنہیں کرتا، یہ یک طرفہ تعلق ہے۔دو بھائی ہیں، ایک بھائی دوسرے کو بہت چاہتا ہےلیکن دوسرا اسے پسندنہیں کرتا، یہ یک طرفہ تعلق ہے،ایک قریب ہے دوسرا اس سے دور ہے، اللہ ہمارے قریب ہےلیکن ہم اس سے دور ہیں۔اس راستہ کوکم کرنے کے لئے خداوندتبارک وتعالیٰ نے ہمیں راستہ بتایا ہے اور ماہِ مبارکِ رمضان اس سفرقرب کے لیے بہترین فرصت ہے،انسان اس ماہ کی ایک رات میں،لیلۃ القدر میں ہزار ماہ کا سفر کرسکتا ہے۔اس ماہ میں اگرانسان خدا کی قربت حاصل کرنا چاہےتو قربت حاصل کرسکتا ہے جتنا ہزار ماہ میں وہ حاصل کرسکتا ہے۔

لیلۃ القدر، خودشناسی کی رات

لیلة القدرِ خیرمن الف شهر

(سورۃ قدر آیت نمبر۳)

اس کی ایک رات ہزار مہینوں پر بھاری ہے، لیلۃ القدر میں انسان اتنی سرعت سے سفر طے کرسکتا ہے جتنا وہ ہزار مہینوں میں بھی نہیں کرسکتا، سوسالہ سفر ایک رات میں طے کرسکتا ہے، اس سفر کے طے ہونے کی علامات میں ایک اپنا کھوج لگانا ہے، اس شب اپنا کھوج لگائیں، خود کو ڈھونڈیں۔ ہم کھو چکے ہیں، اپنے آپ سے اجنبی اور بیگانہ ہیں، ہمیں خودفراموشی کا اخبارات اور ٹی وی میں اشتہار دینا چاہیے کہ فلاں صاحب گم ہوگئے ہیں، اگر کسی کوملیں تو مجھے بھی بتائیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنا فارسی کلام اسرارِخودی کی مثنوی کا آغاز مولانا جلال الدین رومیؒ کے اس شعر سے کیا ہے؛

دی شیخ با چراغ همی گشت گرد شهر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زین همرهان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم که یافت میں نشود جسته ایم ما
گفت آنچه یافت می نشود آنم آرزوست

ایک حکیم دن کے وقت لالٹین لے کرشہر میں گھوم رہا تھا اور کچھ ڈھونڈ رہا

تھا، کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا ڈھونڈ رہے ہو تو اس نے جواب دیا کہ میں وحشی حیوانوں اور درندوں سے ڈر گیا ہوں اور انسان تلاش کر رہا ہوں۔ ہم نے اسے جواب دیا کہ ہم نے بھی اسے بہت ڈھونڈا تھا لیکن وہ انسان ہمیں بھی نہیں ملتا، اس نے کہا کہ میں وہی انسان تلاش کر رہا ہوں جو نہیں ملتا۔

سب سے پہلے انسان کو جس چیز کی جستجو کرنی چاہیے وہ انسان کی اپنی ذات اور خودی ہے۔ ہمارے اندر ایک کاذب خودی ہے جسے ہم انانیت یا ''مَیں'' کہتے ہیں اور ہر جگہ سب سے زیادہ اسے استعمال کرتے ہیں۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں اس کا بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں، اگر ہمیں اپنی ساری زندگی کی ریکارڈنگ چیک کرنے کا موقع دیا جائے تو اس میں سب سے زیادہ جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ''میں'' ہے،اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم خودشناس ہیں اور اپنی پہچان رکھتے ہیں تو جگہ جگہ ''مَیں ،مَیں'' کہتے ہیں، یہ جھوٹی اور کاذب خودی ہے، یہ حقیقی خودی نہیں ہے کیونکہ حقیقی خودی اگر زندہ اور بیدار ہوتی اور ہم اس سے آشنا ہوتے تو وہ اتنا بولتی نہیں، وہ اتنی ''میں میں'' نہیں کرتی۔ حقیقی خودی اور اصلی انسان کم بولتا ہے۔

عقل کی علامتوں میں سے ایک علامت خاموشی اور کم بولنا ہے اور اس کم بولنے میں بھی اپنی ذات اور اپنے وجود کا اظہار نہیں کرنا ہے بلکہ اپنی اور اپنی حقیقی خودی کی تلاش کرنی ہے۔ عام دنوں میں ہمیں اپنا سراغ نہیں ملتا، ہم اپنے آپ کو نہیں پا سکتے ،ہم کھوئے ہوئے ہیں، ہماری جگہ کوئی دوسرا آیا ہوا ہے اور اُس نے

ہمیں دھوکے میں ڈالا ہوا ہے اور ہم اس کو خود سمجھ رہے ہیں۔ مثلاً میں عام دنوں میں حجۃ الاسلام، آقا، عالمِ دین، سید اور فلاں فلاں ہوتا ہوں۔ یہ سب میں نہیں ہوں، یہ کوئی اور ہے، یہ چیزیں میری جگہ آکر بیٹھی ہوئی ہیں، مختلف القابات، ڈگریاں، قومیت جیسے عنوانات نے مجھے میری سیٹ سے اٹھا دیا ہے اور آکر میری جگہ پر بیٹھ کر مجھے ہی دھوکا میں ڈال دیا ہے اور میں سمجھ رہا ہوں کہ میں حجۃ الاسلام ہوں، یہ دھوکا ہے۔ ماہِ مبارکِ رمضان کی اس فرصت میں ہمیں اپنی جستجو اور تلاش کرنی ہے۔

ماہ مبارک رمضان خدا تک پہنچنے کا مہینہ ہے، خدا تک پہنچنے کے سفر کا آغاز خود سے ہوتا ہے۔ اگر میں اپنے آپ کو مل گیا تو خدا بھی مجھے مل جائے گا۔ اگر میں خود اپنے آپ کو نہ ڈھونڈ سکا تو مجھے خدا بھی نہیں ملے گا۔ اگر میری جھوٹی خودی بنی ہوئی ہے تو میرے جھوٹے خدا بھی بہت ہوں گے، اس وقت میرے ہزاروں جھوٹے خدا ہیں، حقیقی خدا حقیقی خودی سے ملتا ہے، اس وقت انسان کے اندر تواضع، خضوع وخشوع آجاتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ خود بیچ سے ہٹنا شروع ہوجاتا ہے، اور نمود نمائش ختم ہوجاتی ہے۔ لیلۃ القدر تقدیر کی رات ہے، اپنا محاسبہ کرنے کی رات ہے، قضائے عمری کی رات نہیں ہے۔ روایات میں ہے کہ اگر انسان چاہے تو اپنی ہر رات کو لیلۃ القدر بنا سکتا ہے۔

فلسفہ روزہ

ماہِ مبارک رمضان ماہِ ضیافت اللہ ہے، یہ اللہ کی میزبانی کا مہینہ ہے، ہم مہمان ہیں اور پروردگار عالم کی ذات ہماری میزبان ہے۔ یہ انسانیت ساز مہینہ ہے، اس مہینے کا اصلی منشور انسان بنانا ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا؛

یَـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْن

(سورہ بقرہ، آیت ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

انہی آیات کی ذیل میں فرمایا؛

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ

(سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵)

اللہ تمہاری آسانی اور آسائش چاہتا ہے، تمہاری تنگی وسختی نہیں چاہتا۔

ایک خود ساختہ، مادر زاد مجتہد منبر پر بیٹھ کر ان آیات سے رمضان المبارک کے روزوں کی چھٹی دے رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ خدا سختی نہیں چاہتا بلکہ آسانی چاہتا ہے لہٰذا روزہ رکھنا جس کے لیے بھی سخت ہے وہ چھوڑ دے۔ روزہ رکھنا تو پھر کسی کے لیے بھی آسان نہیں ہے۔ یہ آیت روزہ کا فلسفہ بیان کر رہی ہے،

روزہ آپ کو تکلیف دینے کے لیے نہیں ہے بلکہ سہولت کے لئے ہے، روزہ رکھنے میں تکلیف ضرور ہے مگر مقصود صرف آپ کو بھوکا پیاسا رکھنا نہیں، آپ کے بھوکا پیاسا رہنے سے خدا خوش نہیں ہوتا، جیسے بعض لوگ دوسروں کو اذیّت میں دیکھ کر لذّت محسوس کرتے ہیں، اللہ اپنی مخلوق کو پریشان دیکھ کر لذّت محسوس نہیں کرتا بلکہ اس آیت

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْر

سے مراد و مقصود یہ تھا کہ اس ماہ میں اپنا سراغ پالو اور وہاں سے اپنے خدا تک آجاؤ۔

عبادی سال کا پہلا مہینہ

علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں ایک روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ ماہ مبارکِ رمضان سال کا پہلا مہینہ ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے، قمری لحاظ سے پہلا مہینہ تو محرم ہے اور عیسوی لحاظ سے پہلا ماہ جنوری ہے۔ ماہِ رمضان المبارک انسانی عبادی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ ہمارے کئی سال ایک ساتھ چلتے ہیں، پاکستان کا مالی سال، پاکستان کا زرعی سال، تعلیمی سال وغیرہ۔ تعلیمی سال اپریل سے شروع ہوتا ہے، مالی سال جولائی سے شروع ہوتا ہے۔ ہماری زندگی صرف زراعت، تعلیم اور مالیات ہی تو نہیں ہے، ہمارا عبادی سال ماہ رمضان سے شروع ہوتا ہے جہاں سے ہم اپنا محاسبہ کریں، اپنا آڈٹ کریں اور تجزیہ و تحلیل کریں کہ یہ

ایک سال ہم نے کیسے گزارا اور کہاں تک پہنچے!

فریدالدّین عطارؒ اور درویش کا قصہ

شیخ فریدالدّین عطار نیشا پوریؒ ایک بہت بڑا نام ہے۔ان کی وجہ شہرت طب نہیں ہے۔ان کا شمار بہت بڑے عرفاء میں ہوتا ہے۔ان کے بارے میں مولانا جلال الدّین رومیؒ نے کہا تھا کہ؛

ہفت شہر عشق را عطار گشت

ما ہنوز اندر خم یك کوچه ایم

عطار عشق کی سات وادیاں طے کر گئے اور ہم ابھی تک شہرِ عشق کے پہلے کوچے کے پہلے موڑ پر حیران، پریشان اور سرگردان کھڑے ہیں۔

''تذکرۃ الاولیاء'' ان کی بہت مشہور کتاب ہے۔عرفان وتصوف کی جتنی بھی معروف شخصیات اور بزرگ گزرے ہیں، وہ سب اپنے آپ کو سلسلہ عطار سے منسلک سمجھتے ہیں، یہ عطار کی کتب پڑھ کر یہاں تک پہنچے ہیں۔عطار عربی اور فارسی زبان میں ڈاکٹر کو کہتے ہیں، آج کی زبان میں ہم انہیں فارماسسٹ کہتے ہیں۔ اس زمانے میں دونوں کام ایک ساتھ ہی ہوا کرتے تھے، جو دوائیں بناتا تھا، وہ تجویز بھی کیا کرتا تھا، آج یہ دونوں شعبے الگ الگ ہو گئے ہیں، طبیب بھی وہی ہوتا تھا۔عطار ان کا نام نہیں تھا بلکہ پیشہ تھا۔فریدالدّین عطار یعنی فریدالدّین دوا ساز اور دوافروش۔

ایک دن ایک درویش ان کی دکان کے سامنے آ کھڑا ہوا، دیکھا رش لگا ہوا ہے اور رش کی وجہ سے فرید الدّین صاحب نظر نہیں آتے، تھوڑی دیر کے لیے رش کم ہوتا، پھر لوگوں کی لائن لگ جاتی، یہ درویش ان کی دکان کے باہر کھڑا رہا۔ تھوڑا رش کم ہوا تو فرید الدّین عطار نے باہر دیکھا تو اسے ایک درویش کھڑا ہوا نظر آیا، وہ سمجھے کہ کوئی گدا ہے، بھیک مانگنے کے لیے آیا ہے، دوبارہ رش ہوگیا اور فرید الدّین اپنے کام میں مشغول ہوگئے، دوبارہ رش کم ہونے پر ان کی نظر اچانک دوبارہ باہر پڑی تو دیکھا کہ وہ شخص پھر بھی ادھر ہی کھڑا ہے، جب چند مرتبہ یہ منظر تکرار ہوا تو وہ سمجھے کہ شاید کوئی ضرورت مند ہے، مانگنے میں شرم اور جھجک محسوس کر رہا ہے اور رش کی وجہ سے شاید مانگ نہیں پا رہا۔اس بار فرید الدّین خود باہر چلے اور اس سے جا کر پوچھا؛

''بھائی کیا ضرورت درپیش ہے، یہاں کیوں کھڑے ہیں؟''

اس نے جواب دیا:''میں باہر کھڑا ہوا ہوں، آپ کی دکان کے اندر تو نہیں ہوں، جاؤ، جا کر اپنا کام کرو''۔

فرید الدّین واپس اپنی دکان کے اندر چلے گئے اور پھر سے مریضوں کو دوائیں دینے میں مصروف ہوگئے۔رش کم ہونے پر یہ دیکھنے کے لیے وہ درویش باہر کھڑا ہے یا نہیں، باہر دیکھا تو اسے وہیں کھڑے پایا۔اب کی بار فرید الدّین کو غصہ آ گیا اور باہر جا کر اسے کہا:

''اگر کوئی کام ہے تو بتاؤ، بیمار ہو تو تمہارا علاج کروں، تمہیں دوائی

دوں ،ضرورت مند ہوتو پیسہ دوں ، بھوکے ہوتو کھانا کھلاؤں ، اپنی حاجت بتاؤ اور یہاں سے جاؤ''۔

اس درویش نے جواب دیا: بھائی میں نے تم سے کچھ مانگا نہیں ،تمہاری دکان میں نہیں کھڑا ہوں ، نہ تمہارا ملازم ہوں اور نہ تمہارے گاہک خراب کررہا ہوں ،بس یہاں کھڑے ہوکر دیکھ رہا ہوں ۔

تھوڑی بحث کے بعد فریدالدّین پھراندر چلے گئے اور دکان کے کاموں میں مشغول ہوگئے ۔

تیسری دفعہ پھر غصے کے ساتھ آئے اور اسے ڈانٹ کر کہا: ''تم چاہتے کیا ہو؟ کیوں کھڑے ہو یہاں پر؟ مجھ سے مانگتے کیا ہو؟''

درویش نے کہا: ''میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم مروگے کیسے؟''

فریدالدّین نے غصہ سے جواب دیا: ''جیسے تم مروگے میں بھی ویسے ہی مروں گا''۔

درویش نے جواب دیا: نہیں ، ایسے نہیں ہوسکتا۔تمہاری مصروفیت بہت زیادہ ہے،تم دواؤں میں مشغول ہو، جیسے میں مروں گا ،تم ویسے نہیں مرسکتے ۔

فریدالدّین غصّہ میں اسے یہ کہہ کر اندر چلے گئے ، درویش نے اپنا بوریا بچھایا اور چادراوڑھ کرسوگیا اورفریداپنے کام میں لگ گئے ۔رات کوکلینک بندکیا ، باہرآ کر دیکھا توانہیں وہ درویش وہیں پرسوتا ہوانظرآیا۔درویش کواس حالت میں سوتے دیکھ کران کاغصّہ کم ہوا ، اسے فقیر،غریب الوطن ،محتاج سمجھ کراس کے پاس گئے ،

اس کی بداخلاقی اور بدتمیزی کو معاف کیا اور خود سے کہا کہ جو بھی ہے اس بیچارے کو اپنے ساتھ لے جاؤں اور کھانا کھلاؤں۔اس کے پاس آ کر اسے ہلا کر اٹھانے کی کوشش کی ، وہ نہ اٹھا، اس کی چادر اتار کر دیکھا تو اسے مرا ہوا پایا۔ یہ منظر دیکھ کر فرید الدّین عطار کو یہ نکتہ سمجھ میں آ گیا کہ آیا میں ایسی ارادی موت مر سکتا ہوں۔فرید الدّین اس رات گھر نہیں گئے بلکہ اپنا گھر، اپنا شہر اور آبادی بھی چھوڑ دی اور کہیں اور چلے گئے۔ایک نکتہ کے سمجھ آنے پر عطار کی زندگی بدل گئی، اس درویش نے مرنے کا ارادہ کیا اور مر گیا، اس نے خودکشی نہیں کی۔

موتوا قبل ان تموتوا

مر جاؤ، اس سے پہلے کہ تمہیں مارا جائے۔

ارادی موت

مرنا سانس بند ہونے کو نہیں کہتے۔موت انتقال کا نام ہے، فنا و نیستی کا نام نہیں ہے، جس طرح بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوتا ہے، ماں کا پیٹ بچہ کے لیے ایک دنیا اور جہاں ہے، رحم مادر اس کی کائنات تھی، وہ اُس کائنات سے اِس کائنات میں آیا، پہلے وہ ناف کے ذریعہ سے اُس کائنات سے جڑا ہوا تھا، جب وہ وہاں سے اس کائنات میں منتقل ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی ناف کاٹی جاتی ہے، پھر وہ زندہ ہوتا ہے، اسی چیز کا نام موت ہے۔ہماری ناف اب دنیا سے جڑ چکی ہے اور حضرت عزرائیل علیہ السلام صرف

ہماری ناف کاٹنے آتے ہیں۔بعض افراد کی ناف دنیا سے اس قدر مضبوط جڑی ہوتی ہے کہ ان کو درد محسوس ہوتا ہے۔دنیا سے جڑی اس ناف کوخود اپنے ارادے سے کاٹ دینا ارادی موت ہے۔انسان اس دنیا سے لاتعلق ہوجائے۔لاتعلق ہوجانے سے مراد معیشت نہیں ہے کہ انسان اپنی معیشت کو ہی چھوڑ دے بلکہ وہ اپنا کام کرے جو اس کا ہے، اپنا گھر آباد کرے، اپنے معاشرے اور اپنی قوم وملت کی خدمت کرے لیکن وہ اپنی طرف بھی توجہ رکھے کہ کہیں خود کوگم نہ کردے۔

اس دن فریدالدّین نے اپنے آپ کو تلاش کرلیا۔اس دن فریدالدّین نے پہلی مرتبہ اصلی فریدالدّین سے ملاقات کی۔اس سے پہلے فریدالدّین مریضوں سے آشنا تھا، پہلے وہ فریدالدین عطار تھا، آج فریدالدّین کی فریدالدّین سے جب ملاقات ہوئی تو وہ اس کی فریدالدّین عطار سے آخری ملاقات تھی، اس دن انہوں نے جعلی فریدالدّین کی ناف کو اپنے ارادے سے کاٹ ڈالا، اس کے بعد جب دنیا نے انہیں دیکھا تو فریدالدّین عطار نیشاپوری کی شکل میں دیکھا، شیخ الاولیاء، صاحبِ کرامت انسان کی شکل میں دیکھا جو کرامات دکھاتا تھا۔اب وہ دوا کی پڑیاں دے کر علاج نہیں کرتا تھا بلکہ نگاہوں سے علاج کیا کرتا تھا، وہ نگاہ کرتا تھا اور مریض ٹھیک ہوجاتا ہے، یہ اس وقت ہوا جب عطار کو شیخ عطار مل گیا، جب فریدالدّین کو خودی مل گئی، جب اسے خودی مل گئی تو اسے خدا بھی مل گیا۔ہم گمشدہ ہیں، ماہ رمضان خود کو تلاش کرنے کا مہینہ ہے۔

فلسفہ عید

ایک ملک میں تبلیغ کے لیے گئے ، وہاں عید کے حوالے سے ایک جشن کا اہتمام کیا گیا تھا، شیعہ سنی مشترکہ عید ہو رہی تھی ، ہزاروں لوگوں کا مجمع تھا۔ انہوں نے عید کے اس جشن میں وہاں کے انگریز علاقائی ایم این اے کو بھی مدعو کیا ہوا تھا۔ نمازِ عید کے بعد وہاں کے لوگوں نے اس ایم این اے کو بتایا کہ پہلے ہمارا فاسٹنگ کا مہینہ تھا اور کھانا پینا ممنوع تھا، ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، ابھی وہ پابندی ختم ہوگئی ہے اور آج ہماری عید ہے۔ پھر اس انگریز کو انہوں نے تقریر کا موقع دیا، اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں آپ کی خوشی محسوس کرسکتا ہوں ، مجھے سمجھ آرہا ہے، اگر یہ ساری چیزیں میرے لیے بھی ممنوع ہوتیں ، میں بھی ایک مہینہ شراب نہ پی سکتا اور یہ ساری چیزیں اور کام نہ کرسکتا تو آج مجھے بھی بہت خوشی ہوتی ، میں بھی اتنا ہی خوش ہوتا جتنا کہ آپ خوش ہیں۔

امام سجاد علیہ السلام ماہِ مبارکِ رمضان کا اس طرح استقبال کیا کرتے جس طرح عروس ودلہن کا گھر میں استقبال کیا جاتا ہے اور ماہِ رمضان کے اختتام اور آخری عشرہ کو اس طرح گزارتے تھے جیسے گھر سے کوئی جنازہ جارہا ہو، ماتم اور گریہ وزاری کیا کرتے تھے کہ ماہِ مبارک رمضان ہم سے وداع ہورہا ہے۔ عید کی خوشی منانے کا ہمارے پاس کوئی جواز ہونا چاہیے، عید کے جشن پر نئے کپڑے پہننے کا کوئی جواز ہونا چاہیے۔ صرف منہ کھلنے اور منہ چلانے کی خوشی نہ ہو، پابندی ختم ہونے کی خوشی نہ ہو۔ عید کے دن جشن ہونا چاہیے کیونکہ یہ دن انسان کا اپنے آپ کو

پا لینے کا دن ہے، اپنی خودی کو تلاش کر لینے کی خوشی کا دن ہے، اس ماہ میں رازِ کائنات سے پردہ اٹھ جانے کی خوشی کا دن ہے۔

گمشدہ انسان کی تلاش

گیارہ ماہ ہم اپنے آپ سے کھوئے ہوئے ہوتے ہیں جیسے خدانخواستہ ہمارا کوئی عزیز گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں اخباروں میں، ٹی وی پر اشتہار دیتے ہیں، پولیس میں رپورٹ درج کراتے ہیں، خود اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں، سارے عزیز اور رشتہ داروں کو فون کرتے ہیں کیوں کہ وہ آپ کا لختِ جگر ہے، اس کے کھو جانے کا بہت افسوس بھی ہوتا ہے۔ ہماری اس سے بڑی حقیقت کھو جاتی ہے لیکن ہم پریشان نہیں ہوتے، ہم گیارہ ماہ خود کو گم کر بیٹھتے ہیں، ہمیں اپنی ذات کے علاوہ ہر دوسری چیز کا علم ہوتا ہے۔عباداتِ ماہ مبارک اور آداب ماہ مبارکِ رمضان اس انداز میں ترتیب دیئے گئے ہیں کہ ہماری توجہ باقی تمام چیزوں سے ہٹ جائے اور ہم اپنی طرف لوٹ آئیں۔انسان کی توجہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک ہی وقت میں ایک جگہ ہو سکتی ہے دو جگہ نہیں جبکہ امیر المومنین کے کلام میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے کہ؛

لایشغله شان عن شان

اگر ایک کام میں ذات خدا مصروف ہو تو اس کی دوسرے کام سے توجہ نہیں ہٹتی لیکن ہماری توجہ ہٹ جاتی ہے۔نماز پڑھتے ہوئے بیچ میں موبائل کی گھنٹی

بجے تو نماز سے توجہ ہٹ جاتی ہے، ڈاکٹر مریض کا معائنہ کررہا ہواور فون کی گھنٹی بجے تو مریض سے توجہ ہٹ جاتی ہے، کسی آدمی سے مخاطب ہیں، بیچ میں کوئی اور مخل ہوجائے تو توجہ ہٹ جاتی ہے، صرف اللہ کی ذات ایسی ہے کہ کوئی چیز اس کی توجہ کو ہٹانہیں سکتی، لاکھوں، اربوں، کھربوں کام اللہ کے ہیں لیکن کسی کام سے بھی اس کی توجہ نہیں ہٹتی۔ ہماری توجہ صرف ایک طرف رہ سکتی ہے۔ بہت سی چیزیں ہماری توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں، خصوصاً اس ملک میں تو مسائل و مشکلات ہی زیادہ ہیں، دوسرے ممالک جہاں یہ مشکلات نہ بھی ہوں تو پھر بھی انسان گمشدہ ہے۔ انسان اپنے آپ سے گمشدہ ہے۔ ماہِ مبارکِ رمضان خدا تک پہنچنے کا مہینہ ہے، قربِ خدا کا مہینہ ہے۔

خودشناسی یعنی اپنے آپ کو پانا، پہچاننا اور تلاش کرنا ہے۔ ممکن ہے اس جملے سے ذہن میں آئے کہ کیا ہم گمشدہ ہیں؟ کیونکہ اپنے آپ کو پانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کھو بیٹھے ہیں، گم کر بیٹھے ہیں، اگر آپ کے ذہن مین یہ سوال اٹھا ہے کہ کیا ہم گمشدہ ہیں؟ درست سوال ہے، اور جواب بھی اس کا مثبت ہے، کہ ہم سب گمشدہ ہیں۔ اپنی حقیقت ہمارے ہاتھ سے کھو چکی ہے، اپنی شخصیت، اپنا مقام اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھے ہیں ہم نے اپنے حالات سے سمجھوتا کر لیا ہے جس طرح بچہ گم ہوتا ہے، نہیں ملتا، پھر ماں باپ حالات سے سمجھوتا کر لیتے ہیں اور پھر ان کو صبر آجاتا ہے۔

وسائل زندگی کی کثرت اور انسان کی گمشدگی

یہ المیہ ہر دور میں اور خصوصاً اس دور میں ہے کہ اس دور میں گمشدگی کے اسباب زیادہ ہیں، اگر آپ ایک علاقہ میں جائیں، ایک ہی سڑک ہو اور سیدھی اس کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہ ہو، وہاں گم ہونے کے بہت کم احتمالات اور امکان ہوتے ہیں، لیکن جہاں پر بہت سارے راستے ہوں، بہت ساری چھوٹی بڑی سڑکیں ہوں، اس قسم کے شہر میں یا اس قسم کے علاقے میں اگر انسان چلا جائے تو اس کے گم ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں، خصوصاً جب وہ نیا ہو، اور پہلی مرتبہ اس شہر میں اور اس علاقے میں داخل ہو رہا ہو، ہمارے آباء اجداد جن زمانوں میں تھے جو سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی سے پہلے کے سادہ زمانے تھے جب گاڑیاں نہیں تھیں، کمپیوٹر نہیں تھے، موبائل نہیں تھے، جہاز نہیں تھے۔لوگ اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کرتے تھے، کھیتی باڑی کرتے تھے، صنعتیں نہیں تھیں، رابطے محدود تھے چند کلومیٹر اپنی جگہ سے دور جانے کے لیے بھی کافی وقت لگتا تھا، اس وقت ایک فائدہ یہ تھا کہ گم ہونے کے امکانات بہت کم تھے، لیکن اب جب کہ ترقی ہوئی ہے اور وسائل زندگی بڑھ گئے ہیں، گھر بہت بڑے ہوگئے ہیں لیکن انسان بہت چھوٹے ہوگئے ہیں، پہلے گھر چھوٹے ہوتے تھے انسان بڑے ہوتے تھے، اس چھوٹے سے گھر میں کائنات کی سب سے بڑی ہستیاں پیدا ہوئیں، پرورش پائیں اور بشریت کی ہدایت و رہبری کی اور سامان اتنا نہیں تھا کہ کوئی گم ہوجائے، بچہ بھی گم نہیں ہوسکتا تھا اتنا مختصر سامان تھا۔

سامان میں گم ہونے سے مراد ہے کہ آج وسائل زندگی اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ان وسائل کی کثرت اور وسائل کے ڈھیر کے اندر خود انسان کھو گیا ہے۔ فرق نہیں پڑتا شیعہ ہو یا سنی ہو، پاکستانی ہو یا غیر پاکستانی ہو، جس نے بھی آج کے معیار کی ظاہری زندگی تشکیل دے دی یہ گمشدہ انسان ہیں، ہم سب گمشدہ انسان ہیں، وسائل زندگی کے اندر گم ہیں، کاذب وجھوٹے عناوین، کے اندر گم ہیں، خواہشات ولذتوں کے اندر گم ہیں، نامناسب تعلقات، خودخواہی وخود پسندی کے اندر گم ہیں۔

آج ٹیکنالوجی نے جہاں بہت ساری سہولتیں دی ہیں جس طرح شہروں میں سڑکیں بہت بن گئی ہیں لیکن گم ہونے کا امکان بڑھا دیا ہے، گاؤں میں بچہ گم نہیں ہوتا، ایک یا دو راستے ہوتے ہیں گھر سے نکل بھی جائے تو لوٹ آتا ہے، لیکن بڑے شہروں میں اگر بچہ نکل جائے تو لوٹ آنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ آج ہم سب ان وسائل کے ہجوم میں گمشدہ ہیں۔

مقصدِ بعثتِ انبیاء ومعصومین علیہ السلام

انبیاء کرام وآئمہ ہدیٰ اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث ومنصوب کیے ہیں تاکہ اسی تلاش وجستجو میں انسان کی مدد کریں، اپنی حقیقت ڈھونڈنے وکشف کرنے میں اسکے ساتھ تعاون کریں کہ

تو کیا ہے؟

تو کون ہے؟

تو کس لیے ہے؟

تو کہاں کے لیے ہے؟

اور تو کہاں پہنچ آیا ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث نورانی ہے کہ

''خدا رحمت کرے اس انسان پر جسے تین سوالوں کے جواب معلوم ہیں کہ

کہاں سے آیا ہے؟

کہاں جانا ہے؟

مقصد کیا ہے؟

اور اس وقت کہاں ہے؟''

اگر یہ تین سوال معلوم ہیں یعنی ہمیں اپنی حقیقت معلوم ہے اپنی تلاش کر چکے ہیں اور اگر ان تین سوالوں کا اور ان تین سوالوں سے ملحقہ دیگر سوالات کا آپ کو جواب نہیں آتا اور ساری دنیا کی معلومات ہمارے پاس ہیں یعنی ہم گمشدہ ہیں اور جس کو یہ جواب نہیں آتا خدا اس پر رحمت بھی نہیں کرتا۔

مفہوم رحمت

رحمت کے مقابل میں لعنت ہے۔ اردو میں لعنت گالی، فحش و بدگوئی ہے جبکہ عربی زبان میں اور دین کی اصطلاح میں لعنت بددعا ہے نہ کہ بدگوئی۔ جس

طرح ہم اللہ سے ایک دعا مانگتے ہیں کہ خدایا رحم فرما اور دوسری میں کہتے ہیں خدایا فلاں پر لعنت کر، یعنی اپنی رحمت روک لے اسے محروم کر دے، ملعون یعنی محروم جبکہ مرحوم وہ ہے جس پر خدا نے رحمت کر دی ہے، اگر انسان کو ان تین سوالوں کے جواب معلوم ہیں تو وہ مرحوم ہے اور جسے ان تین سوالات کے جواب معلوم نہیں، یعنی رحمت خدا سے محروم اور ملعون ہے۔ اردو زبان میں فرقہ واریت میں ملعون ہم دوسروں کو قرار دیتے ہیں جبکہ دین کی زبان میں دیکھیں تو ملعون وہ ہے جسے ان تین سوالوں کے جواب نہیں آتے یا دریافت نہیں کر سکا کہ میں کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جا رہا ہوں؟ اور اس وقت کہاں ہوں؟

جو شخص نہیں جانتا کہ میں کہاں سے ہوں یعنی وہ کھویا ہوا ہے اور گمشدہ انسان ہے۔ اس گمشدہ کو اپنے آپ کو ڈھونڈنا اس کا اصلی فریضہ ہے۔ دین کا بڑا حصہ انسان کو یہ رہنمائی کرنا ہے کہ تو کون ہے اور کیا ہے؟ علامہ اقبال نے بھی اسی کو اپنی تعلیمات کا محور قرار دیا ہے اور اسے ''خودی'' کا نام دیا ہے۔ خودی یعنی انسان کو اپنی حقیقت اپنی اصالت اور بنیاد کو تلاش کرنا ہے۔

گمشدہ انسان کی علامات:

انسان کے اندر دو شخصیتیں ہیں ایک اس کی حقیقی شخصیت اور ایک جھوٹی اور کاذب شخصیت۔ جو خود کو گم کر بیٹھتے ہیں ان کے اندر جھوٹی شخصیت، جھوٹی انا اور جھوٹی خودی پیدا ہو جاتی ہے جو صبح شام اپنا اظہار وجود کرتی ہے، میں میں۔۔۔ صبح

شام کرتی ہے، ایسا شخص خود شناس اور خود یاب نہیں ہے۔ ایسا شخص اپنا تذکرہ زیادہ کرتا ہے، دعویدار بہت ہوتا ہے، لیکن جسے اپنی حقیقت معلوم ہو جائے اُس کی زبان کچھ اور ہوتی ہے۔

جس طرح باہر سڑک پر ایک بچہ گم ہو جاتا ہے اس کی کچھ علامتیں ہوتی ہیں کہ وہ سہا ہوا ہوتا ہے، ڈرا ہوا ہوتا ہے، رو رہا ہوتا ہے، اس کے حواس ٹھکانے نہیں ہوتے ہے۔ اچانک گاڑی یا موٹر سائیکل کے نیچے آنے کے قریب ہوتا ہے کہ اگر وہ بریک نہ لگائے تو یہ نیچے آجائے، کبھی جاتے جاتے کسی بندے سے ٹکرا جاتا ہے، کبھی کسی کھمبے سے ٹکرا جاتا ہے، آنکھیں کھلی ہوتی ہیں مگر اسے کچھ بھی نظر نہیں آتا، کیونکہ خوف و ہراس اس کے دل میں بیٹھا ہوتا ہے اور جس راہ پر جانا ہے اس کے الٹ جا رہا ہوتا ہے، یہ علامتیں گمشدہ انسان کی ہیں۔

کاذب اور جھوٹی خودی کی چند علامات

۱۔ گمشدہ افراد کی پہلی علامت یہ ہے کہ ان کے اندر انانیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انانیت یعنی ہر بات پر میں، میرا، مجھے یہ جملے بہت زیادہ تکرار کرتا ہے۔

۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ ان کے اندر خود پسندی ہوتی ہے۔ دوسروں کے کام ان کو اچھے نہیں لگتے اگر چہ عالی کام ہوں جبکہ اپنے ناقص کام بھی ان کو بہت اچھے لگتے ہیں۔ اپنے آپ کو زیادہ نمایاں کرتے ہیں کہ میں دوسروں کے سامنے زیادہ جلوہ گر ہو، سب میری طرف توجہ کریں، سب کی نگاہیں میری طرف ہو، لوگ مجھے

دیکھیں، میری تعریف کریں اور مجھے سراہیں۔

۳۔ جن کے اندر جھوٹی شخصیت ہوتی ہے وہ خود غرض ہوتا ہے یعنی صرف اپنا مفاد دیکھتا ہے کسی اور کے فائدے یا مفاد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

۴۔ ایسا شخص جھوٹی شخصیت بناتا ہے۔

۵۔ ایسا شخص خواہشات کا زیادہ پیروکار ہوتا ہے۔

٦۔ ایک علامت گمشدہ انسان کی یہ ہوتی ہے کہ وہ مغرور ہوتے ہیں۔

۷۔ ایسے شخص نے جھوٹے و کاذب معیارات بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ غیر مفید تعلقات یعنی ایسی دوستیاں، ایسے تعلقات جن کا نہ اسے زندگی میں فائدہ ہوتا ہے نہ آخرت میں۔

۸۔ ایسا شخص ظاہری کرّ وفر میں مبتلا ہوتا ہے۔یعنی ظاہراً اپنے آپ کو بنا کر رکھتا ہے۔کاذب چیزوں مثلاً لباس، پوشاک اور زیورات کے ذریعے بیرونی آرائش زیادہ کرتا ہے۔

۹۔ ایسا شخص ہمیشہ لوگوں کو اپنے سے راضی رکھنے کی فکر میں رہتا ہے کہ لوگ مجھ سے راضی رہیں کوئی مجھ سے ناراض وخفا نہ ہوں۔

۱۰۔ ایسا شخص نسب کا سہارا لیکر اپنے آپ کو بڑا پیش کرتا ہے۔علمی ڈگری یا کوئی اور ایسی سند کی مدد سے اپنی شخصیت پیش کرتا ہے، کئی لوگ اپنی ڈگریاں بڑی بڑی فریم کروا کر اپنے مہمان خانوں میں رکھتے ہیں تا کہ لوگ آ کر دیکھیں کہ اس کے پاس اتنی ڈگریاں ہیں۔

١١۔ ایسا شخص جائیداد اور پراپرٹی کے ذریعے اپنے آپ کو بڑا ثابت کرتا ہے۔
١٢۔ گمشدہ شخص کی ایک اور علامت یہ ہے کہ وہ گونا گون القابات کے پیچھے اپنے آپ کو چھپا کے رکھتا ہے۔

گمشدہ انسان قرآن وحدیث کی نگاہ میں:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوااللّٰہَ فَاَنْسٰئھُمْ اَنْفُسَھُمْ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْن

(سورہ الحشر آیت 19)

ان لوگوں کی طرح مت بنو جو خدا کو بھول گئے اور خدا کو بھولنے کے نتیجے میں اپنے آپ کو بھی بھول گئے۔

خود فراموش ہو جاؤ گے اگر خدا فراموش ہوئے اگر خود شناس ہوئے تو خدا شناس بن جاؤ گے، اگر تم نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اللہ کو بھی پہچان لیا۔

حدیث میں ہے کہ:

من عرفہ نفسہ فقد عرفہ ربہ

جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

آیت میں ہے کہ اللہ کو فراموش مت کرو، ورنہ خود کو بھی بھول جاؤ گے اور حدیث میں ہے کہ اگر تم نے اپنے آپ کو پہچان لیا تو اپنے رب کو بھی پہچان

لیا، یعنی تعلق ہے خدا کو پہچاننے کا اپنے پہچاننے کے ساتھ اور تعلق ہے اللہ کو بھولنے کا خود کو بھولنے کے ساتھ، جو خدا کو بھولا ہوا ہے وہ خود کو بھی بھولا ہوا ہے اور جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اپنے اللہ کو بھی پہچان لیا۔

نامعلوم جزیرے کے گمشدہ مسافر

جس طرح فلم اور کارٹون میں ایک مضمون تکرار ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا بحری جہاز، یا سمندری کشتی کا طوفانوں کی وجہ سے راستہ گم ہو جاتا ہے اور وہ ایک نامعلوم جزیرے میں پہنچ جاتی ہے۔اور پورا کارواں کشتی سمیت کسی نامعلوم جزیرے میں اترتا ہے اور انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ جزیرا کہاں ہے؟ اور اس جزیرے کے اندر یہ سب افراد گمشدہ ہیں یہ کہانی آپ نے دیکھی یا سنی ہوئی ہوگی۔

ہم بھی ایک ایسے جزیرے میں ہیں جس میں سب گمشدہ ہیں ہمیں ایک کشتی میں سوار کر کے ایک ایسے جزیرے پر اتار دیا گیا ہے جس کا کسی کو معلوم نہیں کہ یہ کیا ہے اور کہاں ہے؟ ہماری زندگی کا ماڈل وہی نامعلوم جزیرہ ہے اور اس تعلیمی نظام کی کشتی نے اس کلچر نے، آبائی طریقہ کار نے ہمیں اس کشتی پر بٹھا کر زندگی کے طوفانوں میں نامعلوم جزیرے پر آکر اتار دیا ہے اور اب ہم سب گمشدہ ہیں۔ اب اس جزیرے میں رہنے والوں کو کچھ معلوم نہیں ہم کہاں ہیں،؟ ہمیں کہاں جانا ہے؟ ہمارا کیا بنے گا؟

کہانی اس طرح سے ہے کہ وہ افراد جب اس نامعلوم جزیرے میں

جا کر اتر جاتے ہیں تو ان کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، ان کو یہ نہیں معلوم کہ ہمارا وطن کونسا ہے، ہمارا گھر کہاں ہے؟ یہ افراد کیڑے مکوڑے اور سانپ بچھو ڈھونڈتے ہیں یا مینڈک اور چوہے ڈھونڈ کر کھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کوئی چیز ملے جس سے پیٹ بھریں، گمشدہ جزیرے میں گمشدہ مخلوق کی علامت یہ ہے کہ اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی کہ ہم کہاں سے ہیں، ہم کہاں ہیں، کہاں جانا ہے اور ہماری نجات کیسے ہوگی؟ فقط پیٹ بھرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ صرف پیٹ بھر جائے چاہے کسی بھی حرام سے بھریں یا حلال سے۔

اس وقت اس نسل کو ایسے نامعلوم جزیرے میں اس کلچر نے اور اس مغربی تہذیب نے پہنچا دیا ہے جہاں انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ہم کون ہیں؟ ہم کیا ہیں؟ ہمیں کیا کرنا ہے؟ اور ہمیں کہاں جانا ہے؟

فریادِ اقبالؒ

علامہ اقبالؒ نے اسی المیے کی طرف اشارہ کیا کہ میری قوم اور میری قوم کے جوان اور میری قوم کی نسل گمشدہ جزیرے میں ہیں۔ اقبال کو خدا نے رہنما بنا کر اور خضرِ امت بنا کر بھیجا کہ اس نامعلوم جزیرے سے گمشدہ امت کو نکالو اور انہیں اپنا مقام، اپنی شخصیت اور اپنی حقیقت بتاؤ اور وہ خضرِ راہ آیا اس سرزمین پر آ کر فریادیں کرتا رہا کہ اے گمشدہ لوگو، اے وہ لوگو جو ذلالت کے دلدل میں ڈوبے ہوئے ہو تمہاری نجات کا واحد راستہ تمہاری خودی کی تلاش ہے۔

ہمیں اس المیہ کو سمجھنا ہے، اس گمشدہ جزیرے میں گم شدہ قوم کے ساتھ نہیں جانا ہیں ہمیں ذلالت میں ڈوبی ہوئی قوم کے ساتھ حرکت نہیں کرنا ہے، ہمیں بھیڑ چال نہیں چلنا ہے۔

آج کی امت بھیڑ چال کا شکار

انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ ہی بھیڑ چال ہے یعنی نہ سوچتے ہوئے، نہ سمجھتے ہوئے نا آ گاہانا طور پر کچھ لوگوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے چل پڑنا۔ ان لوگوں کے پیچھے جنہیں خود معلوم نہیں کہ کہاں جارہے ہیں۔ اس زمانے میں مغربی تہذیب کا طوفان، مغربی تعلیم کا طوفان، خواہشات کا طوفان، میڈیا کا طوفان، کلچر کا طوفان، جہالت کا طوفان زندگی کے اندر آیا ہے اور اس طوفان نے ہماری کشتی نا معلوم جزیرے کے اندر دھکیل دی ہے، جس کے چاروں طرف غرق کر دینے والا پانی ہے اور ہمیں معلوم نہیں ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے؟ کیا اس وقت پاکستان میں کسی کو پتہ ہے کہ پاکستان کا کیا بنے گا؟ کیا ہونے والا ہے؟ یہ مملکت و قوم اور اس کے اندر رہنے والے شیعہ کا کیا بنے گا؟ اس نا معلوم جزیرہ میں گمشدہ لوگوں کی طرح کبھی ادھر دوڑتے ہیں، تو کبھی ادھر دوڑتے ہیں جس طرح قرآن نے مثال دی ہے کہ آسمانی بجلی چمکتی ہے تو دوڑتے ہیں کہ بس نورانیت آ گئی اب راستہ کھل گیا پھر اندھیرا چھا جاتا ہے پھر مایوس ہو جاتے ہیں۔ الیکشن سے جو امیدیں باندھ لیں یہ گمشدہ قوم کی علامت ہے، کرپٹ سیاستدانوں سے جو امیدیں

باندھ لیں یہ گمشدہ قوم کی علامت ہے آسمانی بجلیوں سے جو امیدیں باندھ لیں یہ گمشدہ قوم کی علامت ہے

رہبر، امت کی نجات کا ضامن

اللہ نے گمشدہ لوگوں کو گمشدگی سے نکالنے کے لیے فرمایا کہ

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ،

(سورۃ جمعہ آیت نمبر۲)

عرب گمشدہ قوم تھی اس کے اندر خدا نے رہبر بھیجا، وہ رہبر نسخہ نجات لیکر آیا اور اس نے اپنی ملت کو وہ نسخہِ نجات دیا اور ذلالت وگمشدگی سے باہر لیکر آیا اب انہیں مقصد بھی معلوم ہے مقصد تک پہنچنے کا راستہ بھی معلوم ہے اور اس راستے کو طے کرنے کی تعلیم بھی ان کے پاس موجود ہے، یہ لوگ اس گمشدگی سے باہراور جزیرہ جہالت سے باہر آگئے ہیں۔لیکن بار بار طوفان امت اسلامیہ میں آئے اور ان طوفانوں نے پھر اس امت کو دوبارہ اس جزیرہ پر اتار دیا، دوبارہ وہیں گمراہی کے جزیرے میں پہنچا دیا اور اس کی آج کے ترقی یافتہ دور کی سائنس اور ٹیکنالوجی نے مدد کی کہ وسائل کا ڈھیر لگا دیا اور اس وسائل کے پیچھے انسان چھپ گیا ہے، آج ہم خود دیکھیں کہ ایک جوان چوبیس گھنٹوں کے اندر کتنا وقت موبائل پر صرف کرتا ہے اور کتنا وقت اپنی ذات میں

صرف کرتا ہے یہ گمشدہ انسان کی علامت ہے کمپیوٹر کو کتنا وقت دیتا ہے اپنے آپ کو کتنا وقت دیتا ہے، بزنس کو کتنا وقت دیتا ہے، اپنے آپ کو کتنا وقت دیتا ہے ہوس رانی کو کتنا وقت دیتا ہے، اپنے آپ کو کتنا وقت دیتا ہے، یہ ذلالت مبین وآشکارہ گمشدگی ہے۔

معصومین وسیلہء نجات یا وسیلہء تکمیلِ حاجات !!!

اس گمشدگی سے باہر آنا ہے اور باہر آنے کے لیے کشتی نجات موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ حسین علیہ السلام کشتی نجات ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اکہ میرے اہلبیت علیہ السلام کشتی نجات ہیں۔ ہم نے دعا توسل میں سیکھا ہے کہ

وقدمناک بین یدی حاجاتنا

ہم نے آئمہ کو کہاں لاکر کھڑا کیا ہے، اس جملے کا معنی یہ ہے کہ ہم معصومؑ کا نام لیتے ہیں کہ

اے اللہ ہم آپ کو امیر المومنین علیہ السلام کا فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا و امام حسن علیہ السلام امام حسین علیہ السلام و چہاردہ معصومین علیہ السلام کا واسطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم معصومین علیہ السلام کو اپنی خواہشات کے سامنے پیش کرتے ہیں نہ کہ آپ کے سامنے خواہشات پیش کرتے ہیں۔ اگر یہ ہوتا

انا قدمنا الی حاجاته بین یدی

تو یہ معنی بنتا تھا کہ ہم اپنی خواہشیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جبکہ اس جملے کا معنی یہ ہے کہ ہم آپ کو خواہشات کے سامنے پیش کرتے ہیں

بنی اسرائیل گمشدہ قوم تھی اپنی حیثیت وشخصیت فراموش کیے ہوئے تھی، فرعون کی غلام تھی جب موسیٰؑ آئے ان کو نجات دینے کے لیے اور کہا میں تمہیں گمراہی وگمشدگی سے نجات دینے آیا ہوں، اس جزیرہ گمشدگی سے نکالنے کے لیے آیا ہوں تو انہوں نے کہا کہ اس ذلالت کے جزیرے میں ہماری حاجات و خواہشات ہیں، ہم آپ کو وسیلہء تکمیل خواہشات قرار دیتے ہیں، موسیٰ آپ ہماری خواہشات پوری کرو، موسیٰ کہہ رہے ہیں کہ میں اس گمشدہ جزیرے سے تمہیں باہر نکالنے آیا ہو جب کہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ نہ، ہمیں اسی جزیرے میں رہنے دیں اب تو عرصہ ہو گیا ہمارے آباء اجداد سب اسی جزیرے پر گزر رہے ہیں، آپ صرف حاجتیں پوری کر دیں۔ انبیاء ہمیں گمشدگی سے باہر نکالنے آئے ہیں اور ہم گمشدگی کے دوران ہی ان سے فقط اپنی حاجات مانگ کر اکتفاء کر لیتے ہیں کہ ہماری فقط حاجات پوری کر دیں ہم آپ کو فقط وسلیہ تکمیل حاجات قرار دے رہے ہیں۔

تفریح اور نجات کی کشتی میں فرق

تفریح کی کشتی وہ ہوتی ہے جو جھیلوں میں انسان کو بٹھاتی ہے پیسے لیتی ہے چکر لگا کر دوبارہ اسی جگہ پر اتار دیتی ہے ایسی کشتیاں بہت ہیں، عالم دین، خطیب یا ذاکر آتا ہے آپ سے فیس لیتا ہے تھوڑا سے آپ کو مذہب میں گھماتا ہے گھما کر

دوبارہ وہیں پر اتار کر چلا جاتا ہے کہ تم اپنے گھر جاؤ کشتی اپنے گھر، یہ تفریح کی کشتی ہے، مگر کچھ نجات کی کشتیاں ہوتی ہیں، نجات کی کشتیاں ڈوبتے ہوؤں کے پیچھے جاتی ہیں انہیں اپنے اوپر بٹھا کر انہیں ساحل نجات کی طرف لے کر جاتی ہیں۔ اہلبیت علیہ السلام، انبیاء علیہ السلام و آئمہ علیہ السلام کشتیء نجات ہیں یہ ہمیں گمشدگی کے جزیرے سے نکال کر طوفانوں سے نکال کر نجات کے ساحل تک پہچانے کے لیے آئے ہیں نہ کہ گمشدہ جزیرے میں ہماری خواہشات کی تکمیل کے لیے۔

احساس گمشدگی کا خاتمہ

آج ٹیکنالوجی نے گمشدگی کو اور زیادہ کر دیا ہے، اس لیے قوم کی بیداری ضروری ہے۔ پہلے اپنی ذات کو تلاش کریں پھر اپنی اجتماعی شناخت پیدا کریں، امت بن کر اپنی دینی و مکتبی شخصیت تلاش کریں یہ امام خمینیؒ و علامہ اقبالؒ کا مشترکہ پیغام ہے کہ اپنی شخصیت و خودی کو تلاش کر کے اس گمراہی اور ذلالت کے جزیرے میں خود کو اس دلدل سے نکالیں۔ کیونکہ اس خودی کے اندر سب کچھ موجود ہے۔ فرض کرلیں کہ ایک آدمی گمشدہ ہے اور بار بار اعلان ہو رہا ہے کہ بھائی جو گمشدہ ہے وہ گیٹ پر آ جائے لیکن وہ گمشدہ خود متوجہ نہیں ہے کہ میں گمشدہ ہوں وہ یہ سمجھتا کہ میں گم شدہ نہیں ہوں بلکہ ٹھیک جگہ پر ہوں جتنے اعلان ہوں وہ نہیں سنے گا کیوں کہ وہ سمجھ رہا ہے کہ کسی اور کے لیے اعلان ہو رہا ہے کیوں کہ میں تو گمشدہ نہیں ہوں ہماری بھی یہ ہی حالت ہے، ہم انبیاء علیہ السلام اولیاء علیہ السلام و آئمہ علیہ السلام کے فرامین پر کان

نہیں دھرتے اس لیے کہ ہمارے اندر احساس گمشدگی مر گیا ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس گمشدہ جزیرے کے لیے پیدا ہوئے تھے اور اسی کام کے لیے پیدا ہوئے تھے جو کر رہے ہیں۔

حرم مکہ، سرزمینِ خودشناسی

اللہ نے حج پر لوگوں کو اسی لیے بلایا ہے کہ گمشدہ جزیروں سے نکال کر سرزمین خودشناسی پر آ کر اپنے آپ کو تلاش کریں، حرم محرم سے ہے محرم اور حرم ایک ہی خاندان کے دو لفظ ہیں یعنی جو حرم کے اندر ہو اسکو محرم کہتے ہیں، نامحرم کو حرم کے اندر کس لیے بلایا گیا ہے تا کہ محرم بن جائے، جب تک خودفراموش ہے اس وقت تک اس حرم کے اندر نامحرم ہے اس حرم کے اندر اپنے آپ کو تلاش کریں اپنی جستجو کریں اگر اس نے اپنے آپ کو پالیا یہ محرم خدا ہو جائیگا، حرم خدا کے اندر، محرم خدا بننا ہے، محرم اولیاء دین بننا ہے، محرمِ انبیاء علیہ السلام و آئمہ علیہ السلام بننا ہے، ابھی ہم نامحرم ہیں، جیسا کہ ہم اکثر واقعات میں سنتے ہے کہ اکثر امام بات کر رہے ہوتے تھے کوئی فرد آتا امام گفتگو بدل لیتے تھے، لوگ پوچھتے کیوں گفتگو بدل لی؟ فرماتے یہ نامحرم ہے تعجب کرتے یہ تو آپ کا شیعہ ہے ماننے والا ہے امامؑ فرماتے یہ ہمارا محرم راز نہیں ہے، محرم دین نہیں ہے، محرم امامت نہیں ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ اجنبی ہمارے حرم میں گھس آیا ہے، ہماری مجلس میں گھس آیا ہے۔ ہمیں محرم راز خدا بننا ہے اور وہ اس وقت بنیں گے جب اپنی حقیقت کو پالینگے

اور جب کاذب شخصیت سے باہر آجائینگے۔

خودشناس شخصیات کی علامات

حقیقی شخصیت کی کچھ علامتیں ہیں۔

۱۔ انکساری

جسے اپنا پتہ مل جائے، اپنی خودی مل جائے، جو محرم خدا بن جائے اور جزیرہ گمشدہ سے باہر آجائے اور اسے اپنا ہدف اور مقصد پتہ چل جائے اور راہ اور راہبر کی زبان اسکو سمجھ میں آجائے اس کے اندر پہلی علامت یہ ظاہر ہوتی کہ ہے اس کے اندر انکساری آجاتی ہے،غرور وتکبر ختم ہو جاتا ہے۔

انکساری یعنی تواضع ،فروتنی اور جھکنا، انکساری یعنی مغرور نہ ہونا، امیر و غریب کو ایک نگاہ سے دیکھنا یہ نہ ہو کہ امیروں کے ساتھ تعلق کو فخر سمجھتا ہو اور غریبوں کے ساتھ رابطے کو اپنے لیے شرم کا باعث سمجھتا ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

من عرف نفسه و فقد عرف ربه

پہلی علامت امیر المومنین علیہ السلام کے اندر یہ تھی کہ ان کے اندر اتنا انکسار تھا کہ غلاموں کے ساتھ اور فقیروں کے ساتھ بیٹھتے ان کے ساتھ تعلقات رکھتے ان کے ساتھ کھانا کھاتے ،غرور وتکبر نام کی کوئی چیز امیر المومنین علیہ السلام میں نہیں تھی، امیر المومنین علیہ السلام کو جو پہلی دفعہ حکومت سے محروم کیا گیا اس میں یہی کہا گیا کہ اس وجہ سے

یہ حکومت کے لائق نہیں ہے کہ ان کے اندر رعب نہیں ہے یہ غریبوں،فقیروں اورغلاموں کے ساتھ ہنستے ہیں، بیٹھتے ہیں،تعلقات رکھتے ہیں، خلیفہ وہ ہوجس کا رعب ہونا چاہیے، جوکسی کو اپنے قریب بھی نہ آنے دے اس وجہ سے امیرالمومنین علیہ السلام کو کہا گیا کہ یہ خلافت کے لائق نہیں ہے

۲۔شرم وحیاء

خودشناس شخص حیاء وشرم کا پیکر ہوتا ہے۔حیاوشرم وہ جوقوت نفس کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہوجائے انسان کے اندر دوقسم کی شرم ہوتی ہیں،ایک شرم کمزوری کا نتیجہ ہےاورایک شرم قوت کا نتیجہ ہے،کمزوری کی شرم جھجک ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کچھ سیکھ نہیں سکتا ہے ہمارے ذہن میں سوال ہوتا ہے مگر پوچھنے میں شرم آتی ہے یہ ضعف وکمزوری ہےاورایک شرم قوت کا نتیجہ ہے وہ یہ کہ انسان کی زبان پرغلط بات آگئی ہو جسے اس نے شرم کی وجہ سے روک لیا ہو۔قوت چاہیے زبان روکنے کے لیے، طاقت چاہیے آنکھ بندکرنے کے لیے جب نامحرم سامنے ہو، یہ شرم قوت وطاقت کا نتیجہ ہے

۳۔ایثار و فداکاری

جس انسان کو اپنی حقیقت مل جائے وہ ایثارگر ہوجاتا ہے،یعنی اپنے اوپر دوسروں کوقربان نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کودوسروں پرقربان کرتا ہے، یہ نہیں ہوتا

کہ دوسرے کی جگہ پر قبضہ کر لے دوسروں کا کھانا کھالے، دوسرے کا سامان استعمال کر لے بلکہ اپنی چیز بھی دوسرے کو دے دیتا ہے اگر خود پیاسا ہو اور دوسرا بھی پیاسا ہو تو اپنے حصے کا پانی بھی دوسروں کو دے دیتا ہے، اگر اس کی جگہ اچھی وآرام دہ ہے اور دوسرے کی آرام دہ نہیں ہے تو اپنی آرام دہ جگہ دوسرے کو دے دیتا ہے اس کو کہتے ہیں ایثار وفداکاری۔

٤۔ شوق ارتقاء و تکامل

جو گمشدگی سے باہر آ گیا ہو جس نے اپنی حقیقت کو پہچان لیا ہو اس کے اندر ارتقاء و تکامل کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، ارتقاء یعنی نشو ونما، کمالات حاصل کرنا، فضائل حاصل کرنا، جس کے اندر گمشدگی ختم ہوگئی ہو اور جزیرہ گمشدگی سے باہر آ گیا ہو وہ مقصد کی طرف مسلسل بڑھتا رہتا ہے یعنی کمالات کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔

۵۔محبِ خدا

جو جزیرہ گمشدگی سے باہر آ گیا ہو اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اس کے دل میں محبتِ خدا شدید ہو جاتی ہے اور پھر یہ محبت عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے، وہ عاشق خدا ہو جاتا ہے، محبت جب بڑھ جائے اور اس میں شدت آ جائے اسے عشق کہتے ہیں، یعنی یہ محبت خدا میں اس مقام تک جا پہنچتا ہے کہ اسے سوائے خدا کے کچھ نظر نہیں آتا۔

٦۔اندرونی آرائش

خودشناس شخص اپنی بیرونی آرائش سے زیادہ اندرونی آرائش کرتا ہے، اپنی قدر و قیمت قیمتی لباس سے نہیں بڑھاتا، قیمتی جوتوں سے نہیں بڑھاتا، گاڑی سے نہیں بڑھاتا، قیمتی موبائل سے نہیں بڑھاتا کیونکہ ان چیزوں سے انسان کی قیمت نہیں بڑھتی بلکہ یہ چیزیں انسان کوگم کرنے کے لیے ہیں، اپنے اندر جب اقدار ایجاد کرتا ہے، اس وقت اس کی اندرونی آرائش ہوتی ہے۔

۷۔صاحبانِ کمال کی طرف رغبت

خودشناس شخص کی صاحبانِ کمال کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے وہ بیہودہ اور ناکارہ، افراد سے دوری اختیار کر لیتا ہے، صاحبان کمال کی محبت و اولیاء خدا کی محبت اس کے دل میں آجاتی ہے۔

۸۔ علم پسندی

خودشناس شخص علم پسند بن جاتا ہے کیونکہ علم روشنی ہے، وہ روشنی کا محبّ و عاشق بن جاتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ مجھے ظلمانی جزیرے سے باہر روشنی کی طرف آنا ہے اور روشنی کا منبع علم ہے۔

۹۔ احساس ذمہ داری

جو گمشدگی سے باہر آجاتا ہے اس کے اندر احساس ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ وہ کام چور نہیں ہوتا جبکہ خود فراموش کام چور ہوتا ہے۔ چور بہت سارے ہیں روایت میں ہے کہ جو سامان چراتا ہے وہ سب سے نچلے درجے کا چور ہے، سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز چراتا ہے، نماز آداب سے نہیں پڑھتا، نماز کا حق ادا نہیں کرتا۔ ایسا شخص دینی فرائض ادا نہیں کرتا، اپنی مسئولیت نہیں نبھاتا، اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرتا یہ خود فراموش ہے۔ قرآن میں ہے کہ جہنم میں ایک طبقہ مستضعفین کا لایا جائے گا، ان کو جب جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان سے پوچھا جائیگا کہ تمہیں کون جہنم لے آیا، یہ جواب دینگے کہ ہمارے بزرگوں نے ہمیں جہنم پہنچایا ہے اور ہمیں گمراہ کیا ہے، پھر یہ کمزور جہنمی لوگ اللہ سے دعا کرینگے کہ اے خدا ان بزرگوں کو دوگنا عذاب دے ایک یہ کہ خود گمراہ ہوئے دوسرا یہ کہ ہمیں گمراہ کیا ہے، جو ماں باپ بچوں کو چوری کی تعلیم دیتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ کہتے ہوں دوکان سے کچھ نہ چرانا، پڑوسی کا کچھ نہ چرانا، اپنے ہم جماعت کا کچھ نہ چرانا لیکن ساتھ بڑی چیزوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسے چرانا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، دین چرانا، ذمہ داریاں چرانا، فریضہ چرانا، یہ والدین اپنے آپ کو بہت بڑے مربی سمجھتے ہیں خود دین کے چور ہیں، خود اللہ کے چور ہیں، خود آئمہ علیہ السلام کے چور ہیں اور اب بچوں کو بھی چور بنا رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے بچے کوئی مسئولیت لینے کے لیے تیار نہیں ہیں، کوئی دین کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

یہ دینی مدرسے جن کے اندر چوری کی تعلیم دی جاتی ہے کہ انقلاب کا نام نہ لینا، کربلا کا مکتب نہ سکھانا، امام خمینیؒ کی راہ نہ دکھانا یہ دین کے نام پر چور پال رہے ہیں، چوری کی تعلیم دے رہے ہیں ممکن ہے ہم چوروں کی بستی میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ اور یہ اکثر ہوتا ہے چوروں کی بستی میں چوروں کی عزّت ہوتی ہے چھوٹے چور بڑے چوروں کی عزّت کرتے ہیں لیکن ایک دن سب چھوٹے بڑے چوروں کو اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے، ہم یہاں پر خوش ہیں کہ ہم دعائیں بھی پڑھتے ہے ہم توسّل بھی کرتے ہے، لیکن کیا ہوگا جب قیامت میں ہمیں چوروں کے کٹہرے میں کھڑا کیا جائیگا اور خدا کہے گا تم دعائیں بھی کرتے تھے تم توسّل بھی کرتے تھے لیکن ذمہ داریاں کوئی بھی دوش پر نہیں لیتے تھے۔ ایسی چور مخلوق، ایسی چور قوم، ایسی چور نسل کیسے معمار وطن، کیسے معمار قوم، کیسے معمار دین بن سکتی ہے؟؟

شہداء کی عظمت خدا نے اسی لیے بیان کی ہے کہ جب کام چور میدان چھوڑ جاتے ہیں شہید تنہا آگے بڑھتا ہے اور اتنا آگے بڑھتا ہے کہ راہ خدا میں جان دے دیتا ہے، اس لیے خدا نے اس کو عظمت دی کے مرکر بھی زندہ ہیں جبکہ چور زندگی میں بھی مرے ہوئے ہیں، امام حسینؑ کے ساتھ جو نہیں آئے یہ دین چور تھے، انہوں نے دین چرایا، ذمہ داری چرائی اور وہ شہداء کربلا تھے جنہوں نے حق ادا کیا۔

۱۰۔مثبت اور منفی نکات سے آگاہی

خود شناس شخص کی ایک اور علامت یہ ہے کہ انھیں اپنی شخصیت کے منفی اور مثبت نکات معلوم ہوتے ہیں کہ میرا کمزور نکتہ کیا ہے اور نکتہ قوّت کیا ہے۔

خداوند تعالیٰ ہمیں اپنی شناخت اور اپنی پہچان کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ذلالت کے اس ظلمانی جزیرے سے باہر آنے کی توفیق عطا فرمائے، خداوند تبارک و تعالیٰ ہمیں اتنی نورانیت و بصیرت عطا فرمائے کہ ہم اس جزیرہ ظلمت و جزیرہ ذلالت و جزیرہ گمراہی سے باہرآ کر جزیرہ ہدایت و سرزمینِ نورانی ہدایت پر قدم رکھ سکیں اور خداوند تبارک و تعالیٰ ہم سب کو اپنی مسئولیتیں، اپنی ذمہ داریاں اور اپنے فرائض اٹھانے اور ان کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال نامہ

سوال نمبرا۔ ماہ رمضان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا نام ہے۔

(الف) مقدس و نورانی دھند کا
(ب) تقدس کے کرنٹ کا
(ج) نورانیت کے حلقے کا
(د) کوئی درست نہیں ہے۔

سوال نمبر۲۔ ماہ رمضان کی حقیقی فضیلت ۔۔۔۔۔۔۔ ہے۔

(الف) روزہ
(ب) نزولِ قرآن
(ج) نماز
(د) الف اور ب

سوال نمبر۳۔نزول سے مراد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(الف) آسمان سے زمین پر آنا
(ب) چھت سے زمین پر آنا
(ج) کاغذ اور آواز کا اترنا
(د) قابل فہم ہونا

سوال نمبر۴۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قلوب کی بہار کا مہینہ ہے۔

(الف) ماہِ ربیع الاول
(ب) ماہِ محرم الحرام
(ج) ماہِ رمضان المبارک
(د) تمام درست

سوال نمبر۵۔رمضان میں اللہ نے انسان کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔تک پہنچنے کی تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا ہے۔

(الف) کمال (ب) سفر قربی

(ج) آسمان (د) الف اور ب

سوال نمبر٦۔ماہ رمضان میں سب سے بڑا خزانہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(الف) اپنے آپ کو پانا (ب) ثواب

(ج) تلاوت قرآن (د) تمام درست ہیں

سوال نمبر۷۔عقل کی علامتوں میں سے ایک علامت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(الف) خاموش رہنا (ب) کم بولنا

(ج) دونوں درست ہیں۔ (د) دونوں غلط ہیں۔

سوال نمبر۸۔لیلۃ القدر درحقیقت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی رات ہے۔

(الف) قضائے عمری پڑھنے کی

(ب) اپنا محاسبہ کرنے کی

(ج) رات بھر جاگنے کی

(د) قرآنی اعمال کرنے کی

سوال نمبر۹۔ ماہ رمضان ۔۔۔۔۔۔۔۔ کا مہینہ ہے۔

(الف) اللہ کی مہمانی کا

(ب) اللہ کی میز بانی کا

(ج) انسان سازی کا

(د) ب اور ج

سوال نمبر۱۰۔ ’’اللہ تمہاری آسانی چاہتا ہے، تمہاری تنگی وسختی نہیں چاہتا۔‘‘

سورۃ ۔۔۔۔۔۔۔۔

(الف) سورۃ بقرۃ　　(ب) سورۃ روم

(ج) سورۃ حشر　　(د) سورۃ بنی اسرائیل

سوال نمبر۱۱۔ ماہ رمضان مبارک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سال کا پہلا مہینہ ہے۔

(الف) شمسی　　(ب) قمری

(ج) عبادی　　(د) مالی

سوال نمبر۱۲۔ تذکرۃ الاولیاء ۔۔۔۔۔۔۔۔ کی کتاب ہے۔

(الف) مولانا جلال الدین رومیؒ

(ب) فرید الدین عطارؒ

(ج) علامہ اقبالؒ

(د) علامہ مجلسیؒ

سوال نمبر۱۳۔موت ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا نام ہے۔

(الف) فنا و نیستی کا

(ب) سانس بند ہونے کا

(ج) ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا

(د) تمام درست ہیں۔

سوال نمبر۱۴۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انسان کی خود سے دوری کا سبب ہے۔

(الف) وسائل کی زیادتی

(ب) خود پسندی

(ج) خواہشات ولذّات

(د) تمام درست ہیں۔

سوال نمبر۱۵۔علامہ اقبال کو اللہ نے لوگوں کو گمشدگی سے نکالنے کے لیے

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بنا کر بھیجا۔

(الف) رہنما (ب) خضرِ امّت

(ج) دونوں درست ہیں (د) دونوں غلط ہیں۔

سوال نمبر١٦۔بھیڑ چال کا مطلب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(الف) بھیڑوں کے پیچھے چلنا

(ب) لوگوں کے پیچھے آنکھیں بند کرے چلنا

(ج) آ گاہانہ چلنا

(د) ب اور ج

سوال نمبر١٧۔''ان لوگوں کی طرح مت بنو جو خدا کو بھول بیٹھے ہیں اور خدا کو بھولنے کی وجہ سے اپنے آپ کو بھول گئے ہیں'' سورۃ۔۔۔۔۔

(الف) سورۃ مومنون (ب) سورۃ حشر

(ج) سورۃ مجادلہ (د) سورۃ زمر

سوال نمبر١٨۔انکساری یعنی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(الف) جھکنا (ب) فروتنی

(ج) گڑگڑانا (د) الف اور ب

سوال نمبر١٩۔''من عرف نفسه فقد عرفه ربَهُ'' یہ کس معصوم کا قول ہے؟

(الف) امام علی علیہ السلام　　(ب) امام حسین علیہ السلام

(ج) امام سجاد علیہ السلام　　(د) امام حسن علیہ السلام

سوال نمبر۲۰۔ ''خداشناس شخص حیاء وشرم کا پیکر ہوتا ہے'' یہاں حیاء وشرم سے مراد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(الف) وہ قوت جو نفس کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہو جائے۔

(ب) وہ قوت جو کمزوری کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہو جائے۔

(ج) وہ قوت جو جھجک کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہو جائے

(د) ب اور ج

سوال نمبر۲۱۔ بقول امام علی علیہ السلام ''خدا۔۔۔۔۔۔۔۔کرے اس شخص پر جسے تین سوالوں کو جواب معلوم ہیں''۔

(الف) برکت　　(ب) رحمت

(ج) ثواب　　(د) تمام درست ہیں۔

سوال نمبر۲۲۔ رحمت کے مقابل میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے۔

(الف) لعنت　　(ب) نعمت

(ج) نقمت　　(د) زحمت

سوال نمبر۲۳۔کاذب خودی کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ۔۔۔۔۔۔۔۔کرتا ہے۔

(الف)اندرونی آرائش (ب)بیرونی آرائش

(ج)خودخواہی (د)ب اور ج

سوال نمبر۲۴۔روایت میں ہے کہ ''سب سے بڑا چور وہ ہے جو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چُراتا ہے''۔

(الف)مسئولیت (ب)نماز

(ج)دینی فرائض (د)تمام درست ہیں۔

سوال نمبر۲۵۔۔۔۔۔۔۔۔۔کومحرم کہتے ہیں۔

(الف)جوحرم کے اندر ہو۔ (ب)جوگھر کے اندر ہو

(ج)جوروزہ دار ہو (د)الف اور ج

اوپن بُک انعامی مقابلہ

انعامات:

پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن کے لیئے تمام سوالات کے صحیح جوابات دینے والے افراد میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ انتخاب کیا جائے گا۔

پہلا انعام: ایران زیارت　　دوسرا انعام: کمپیوٹر　　تیسرا انعام: موبائل فون

ان کے علاوہ تمام سوالات کے صحیح جوابات دینے والے مزید 100 افراد کا بذریعہ قرعہ اندازی انتخاب کر کے انہیں ایک مفید کتاب انعام میں دی جائے گی۔

قواعد وضوابط:

۱۔تمام سوالات کے جوابات کتاب سے ہی دیئے جائیں۔

۲۔کتاب کا خود مطالعہ کر کے جواب دینا آپ کا اخلاقی فرض ہے۔

۳۔مقابلہ کے شرکاء کیلیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔

۴۔تمام شرکاء انٹرنیٹ کے ذریعہ جوابات ہماری ویب سائیٹ

پر **www.pairwan-e-wilayat.com** پر جمع کروائیں۔

۵۔انٹرنیٹ کی سہولت موجود نہ ہونے کی صورت میں آخری صفحہ پر موجود جواب نامہ میں صحیح جواب کے سامنے ( ) کا نشان لگایئے اور اپنے مکمل کوائف پُر کر کے جواب نامہ ہمارے پتہ پر ارسال کیجئے۔

۶۔جوابات اسطرح ارسال کیئے جائیں کہ وہ **۲۵ شوال ۱۴۳۳ھ** تک ہمارے پتہ تک پہنچ جائیں بعد میں وصول ہونے والے جوابات قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیئے جائیں گے۔

۷۔**نتائج کا اعلان ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ** (یوم ولادت باسعادت حضرت علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام) کو کیا جائے گا۔

۸۔مقابلہ میں کامیاب ہونے والے شرکاء کا نتیجہ ہماری ویب سائیٹ

www.pairwan-e-wilayat.com پر ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ کے بعد دیکھا جاسکتا ہے۔

کتاب ملنے اور جوابات جمع کروانے کا پتہ:

محمد علی بُک ڈپو

زہرا گارڈن، شاپ نمبر 2، بریٹو روڈ، نزد محفل شاہِ خراسان،

بالمقابل فاطمیہ کالج، سولجر بازار نمبر ۳، کراچی

فون: 021-32242991,0300-2985928

جواب نامہ

Registration Code.........................

حلف نامہ

(پُر کرنا لازمی ہے)

میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حلفیہ اقرار کرتا/ کرتی ہوں کہ

میں بذات خود اس کتاب کو پڑھ کر جوابات جمع کروا رہا/ رہی ہوں اور اس سلسلے

میں کسی دوسرے فرد سے مدد حاصل نہیں کی۔

اپنی تلاش میں

اس کتاب اور کوئز مقابلہ سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟



نام .... تاریخ پیدائش ....

ولدیت .... تعلیمی صلاحیت ....

مکمل پتہ ....

....

شناختی کارڈ نمبر .... رابطہ نمبر ....

ای میل ....

ردیف	الف	ب	ج	د	ردیف	الف	ب	ج	د
۱					۱۴				
۲					۱۵				
۳					۱۶				
۴					۱۷				
۵					۱۸				
۶					۱۹				
۷					۲۰				
۸					۲۱				
۹					۲۲				
۱۰					۲۳				
۱۱					۲۴				
۱۲					۲۵				
۱۳									

